یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بفیضان

مظہر شریعت وطریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرۃ مولانا **قاضی مظہر حسین** نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد

محدثِ عرب وعجم آبروئے دیوبند امامِ اہل السنۃ والجماعۃ

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا

محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید: سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرۃ مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرۃ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرۃ مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرۃ مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلکِ احناف، شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلکِ دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرۃ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرۃ مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرۃ مولانا **حبیب الرحمٰن سومرو** صاحب مدظلہ

نگران
وکیل احناف مناظرِ اسلام
حضرۃ مولانا **مفتی محمد انور اوکاڑوی** صاحب مدظلہ

مدیر اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
0301-7790908

مدیر مسئول
مولانا احسن خدامی
0320 4902150

مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی محمد شریف عابر دامت برکاتہم العالیہ کا مکتوب گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم......المدد المدد: یا اللہ مدد......اصلی کلمہ اسلام: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ختم نبوت: زندہ باد......خلافت راشدہ: حق چار یارؓ......حق ہے حق ہے: سنی مذہب حق ہے

بخدمت برادر عزیز القدر مولانا محمد احسن خدامی صاحب سلمہ تعالیٰ جل مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ تعالیٰ ماہنامہ ''صفدر'' باقاعدگی سے وصول ہو رہا ہے۔''فتنہ غامدی نمبر'' بھی وصول ہوا۔جزاکم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء.

کیوں عزیز بھائی!......احسن خدامی سلمہ ربہ کو جزاء بھی تو 'احسن' چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان (سے) ان کی اور ان کے جملہ رفقاء کی کارکردگی کو قبول فرماویں۔ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ پر دشمنان مذہب نے جو گرد وغبار ڈالنے کی ناپاک سعی کی ہے، اس کے ازالہ کے لیے آپ کی اپنی بساط کے مطابق کوشش ہے۔اس کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازیں۔آمین

اللھم انصر الاسلام والمسلمین، واجعلنا منھم، اللھم اید الاسلام والمسلمین.

آمین ثم آمین یاالہ العالمین

فقط، والسلام......خادم اہل السنۃ والجماعۃ محمد شریف عابر (بقلم خود)

مفتی: جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام، جامع مسجد گنبد والی، جہلم شہر......۳۰رذی قعدہ ۱۴۳۸ھ

پیامِ صفدر

مدیر مسئول کے قلم سے

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے......!!!

نحمده و نصلي علی رسوله الكريم، اما بعد......! میسج ٹی وی سنہ دو ہزار گیارہ (۲۰۱۱ء) سے اپنی ''دینی'' نشریات چلا رہا ہے، عوامی حلقوں میں اسے علمائے دیوبند کا ٹی وی چینل تصور کیا جاتا ہے اور اسی فکر کے علماء کرام کے بیانات اس پر چلائے جاتے رہے ہیں۔عم محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب کی سرپرستی اور ''نیک'' تمنائیں روزِ اول ہی سے اس کو مسلسل حاصل ہیں۔ چند روز قبل اس ٹی وی کے ذمہ داران کی طرف سے ایک اپیل نظر سے گذری تھی جس میں کہا گیا تھا کہ یہ ٹی وی چینل خاصی کسمپرسی کے حالات سے گذر رہا ہے اور اگر مخیّر احباب کی طرف سے اس کی اعانت نہ کی گئی تو اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔اس اپیل کے کچھ ہی دن بعد گزشتہ روز یہ معلوم ہوا کہ اس ٹی وی نے اب سکرین پر خواتین کی رونمائی کے ساتھ ساتھ موسیقی کی نشریات بھی شروع کر دی ہیں اور اس کے ذمہ داران بضد ہیں کہ نہ صرف ان کا ٹی وی اب تک ''اسلامی ٹی وی'' ہے بلکہ اس پر شروع کی جانے والی یہ حرکات بھی کسی شک وشبہ سے بالا ''دینی حرکات'' ہیں۔اس ٹی وی کے ذمہ دار جناب عبد المتین صاحب جو ماشاءاللہ ''باریش اور باشرع حلیہ'' رکھتے ہیں اور کسی زمانے میں دار العلوم لاہور، اور پھر دار العلوم منظور الاسلامیہ کے مجلّات میں ڈیزائننگ وغیرہ کی خدمات انجام دے چکے ہیں، انہوں نے اپنے ٹی وی کے آفیشل پیج پر دو قسطوں میں اس ٹی وی پر لائی جانے والی تبدیلیوں پر ایک مضمون لکھا ہے۔ مضمون کی سطر سطر اہل نظر کو عبرت کی دعوت دے رہی ہے۔ہم محترم جناب عبد المتین صاحب کے اس مضمون کے چند اقتباسات اپنے تبصرے کے ساتھ مجلّہ کے قارئین، دینی مدارس کے ارباب عقد وحل اور دینی جماعتوں کے قائدین کی خدمت میں اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ اس کو ملاحظہ فرما کر میڈیا کے بارے میں لگ بھگ گذشتہ پندرہ برس سے قائم کی گئی رائے پر غور کیا جائے اور اس بارے میں مستقبل کی اپنی پالیسی کو ترتیب دیا جا سکے۔محترم عبد المتین صاحب لکھتے ہیں:

''میسج ٹی وی کا بنیادی مقصد دینی شعور کو اُجاگر کرنا اور فحاشی وعریانی کے سامنے بند باندھنا ہے، حالیہ دنوں میں میسج ٹی وی کی نشریات میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں جس کے متعلق ہمارے ناظرین سوالات اور ناقدین اعتراضات کر رہے ہیں، ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم ان دونوں کے جوابات دیں۔ سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ میسج ٹی وی کی انتظامیہ تبدیل ہوئی ہے، نظریہ نہیں......''

تبصرہ:

پہلی بات تو یہ کہ ایک ٹی وی چینل کھول کر یہ توقع رکھنا کہ اس چینل کے ذریعے دینی شعور عام کیا جائے گا اور فحاشی وعریانی کے سیلاب کے آگے بند باندھا جائے گا، ایسے ہی ہے جیسے آپ لوگوں کو اس نیت سے دریا میں پھینکیں کہ وہ دریا میں گر کر ڈوبنے سے محفوظ ہو جائیں گے۔ جس طرح دریا کا کام لوگوں کو ڈبونا ہے، ڈوبنے سے بچانا نہیں، اسی طرح مروجہ میڈیا کا کام فحاشی، عریانی اور بے دینی کو فروغ دینا ہے، ان کے آگے بند باندھنا نہیں۔

اگر آپ ان سطور کے مطالعے کے دوران یہ سوچ رہے ہیں کہ میڈیا تو صرف ایک آلہ ہے، اسے درست مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور غلط مقاصد کے لیے بھی، تو آپ کی یہ سوچ لاعلمی اور بے خبری پر مبنی ہے، موجودہ زمانے کا میڈیا ایک مجرد آلہ یا اوزار نہیں ہے جسے کوئی بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکے، بلکہ یہ ایک منظّم اور مربوط نظام کے تحت چلنے والا بہت بڑا ادارہ ہے جسے بنانے والے نہ اسے اپنی مرضی کے خلاف چلنے دے سکتے ہیں اور نہ اس کی ساخت ہی ایسی ہے کہ یہ ان کی فکر ونظر اور تہذیب کو چھوڑ کر کسی دوسری تہذیب یا دین یا عقیدے کے مطابق چل سکے۔ یہ گندگی کا وہ متعفن نالا ہے جس میں آپ کئی من خوشبو ڈال کر بھی اس کے تعفن اور غلاظت کو کم نہیں کر سکتے۔ یہ لادینی، فحاشی وعریانی کی وہ ناپاک شراب ہے جس میں چند قطرے زمزم ڈال کر آپ زمزم کی توہین اور بے اکرامی کا سبب تو بن سکتے ہیں، اس نجس شراب کو پاک قطعاً نہیں کر سکتے۔ یہ بے راہ روی اور اللہ جل شانہ سے بغاوت کا زہر ہے جس میں کچھ قطرے کسی دوا کے ڈال کر آپ اس کی زہرناکی سے نہ صرف مطمئن ہیں بلکہ اس سے بیماروں کو شفاء ملنے کی بھی آرزو لگائے بیٹھے ہیں، آپ کی یہ سادگی آپ جیسے بہت سے سادہ دل مریضوں کے ایمان کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہے۔

موجودہ زمانے کا میڈیا پوری دنیا کے سرمایہ دارانہ نظام کا ہی ایک اہم کل پرزہ ہے، اسے اس پورے نظام سے الگ کر کے چلانے کی آرزو ایسے ہی ہے جیسے چلتی گاڑی کے ایک ٹائر سے یہ امید رکھنا کہ وہ آپ کے کہنے پر گاڑی سے مخالف سمت میں چلنے لگے گا۔ یہ ایک بچگانہ خواب تو ہو سکتا ہے، حقیقت کبھی نہیں۔ اس میڈیا کا موجودہ ڈھانچہ کیا ہے؟ ملکی سطح پر جنگ گروپ، اے آر وائی گروپ جیسے چھوٹے ادارے جو ریاست کی وساطت سے یا براہِ راست مکمل طور پر کمیونیکیشن اور ٹیکنالوجی کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تحت اور ان کے دست نگر ہوتے ہیں۔ گوگل اور موٹرولا، یا ہواوے جیسی کمیونیکیشن اور ٹیکنالوجی کمپنیاں بھی مکمل طور پر آزاد اور خود مختار نہیں ہوتیں بلکہ ایک نظم اور سسٹم کے تابع ہوتی ہیں، اس نظم اور سسٹم کی جڑ کیا ہے؟ سرمایہ اور

سرمایہ داری، دنیا کی بے انتہا محبت، حرص و ہوس کا لامتناہی صحرا، اللہ جل شانہ کو جھٹلا کر انسانی خواہشات کو خدا مان لینا اور ان کو پوجنا، لا الہ الا اللہ کے دائرے سے آزاد ہو کر لا الہ الا الانسان کا دعوی کرنا......اس نظم اور سسٹم میں وہی کامیابی سے چل سکتا ہے جو اس کی اس بنیادی ''ایمانیات'' پر یقین رکھتا ہو یا اس کو برداشت کر سکتا ہو...... یہاں (نعوذ باللہ) دولت خدا ہے، خواہش رسول ہے۔ دولت سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں، خواہش سے بڑھ کر کوئی مطاع نہیں......

آپ اس میڈیا پر آکر ''دین'' کا کام کرنا چاہتے ہیں، سب سے پہلے آپ کو اس کے بنانے والوں سے ''لائسنس'' کے نام پر اجازت نامہ لینا ہے جس میں بہت کچھ ان کی مرضی کا کہنے کو تسلیم کرنا اور بہت کچھ اپنی مرضی کا کہنے سے دست بردار ہونا ہے، ضابطۂ اخلاق کے نام سے بد اخلاقی پھیلانے کے اُصولوں پر صاد کرنا ہے۔ فرض کیجئے آپ نے لائسنس لے لیا، لائسنس لیتے وقت اپنی ہر بات کہنے کی آزادی بھی ان سے منظور کروالی، اب آپ یہ سوچئے کہ آپ کا یہ چینل چلے گا کیسے؟ چینل چلانے اور اس کو جاری رکھنے کے لیے آپ کو ہر ماہ بہت بھاری رقم درکار ہے جو آپ نے پابندی کے ساتھ انہی لوگوں کو دینی ہے جن سے آپ نے چینل چلانے کی اجازت لی ہے یا جن سے آپ ٹیکنالوجی اور کمیونیکیشن کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ یہ رقم لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ہے، یہ رقم آپ کہاں سے پوری کریں گے؟ موجودہ میڈیا سسٹم میں اس رقم کو وصول کرنے کا بنیادی طریقہ ایک ہی ہے کہ آپ چینل پر ایسی چیزیں دکھائیں جو زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھیں، جتنے زیادہ لوگ آپ کے چینل کو دیکھیں گے، اتنی ہی زیادہ کمپنیاں اس چینل کو اشتہار دیں گی، ان اشتہارات کی رقم سے آپ اپنے اخراجات پورے کریں گے، اپنے ملازمین کو تنخواہیں دیں گے، اور اپنے ''بڑوں'' کو ان کی مطلوبہ رقم فراہم کریں گے۔ گویا آپ کے چینل کے دفاتر کے کرائے، بجلی پانی کے بل، درکار سامان کی رقم، ملازمین کی تنخواہیں، اور چینل کی فیس وغیرہ مدات میں جتنی رقم آپ کو درکار ہے اس کے وصول ہونے کا بنیادی ذریعہ ایک ہی ہے، وہ ہیں اشتہارات، اور اشتہارات ملنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے چینل کو زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھتے ہوں۔ مثال کے طور پر آپ کے ٹی وی کو ایک لاکھ لوگ دیکھتے ہیں اور آپ کا ایک منٹ کا اشتہار دس ہزار کا ہے، تو اگر آپ کے چینل کو دس لاکھ لوگ دیکھنے والے ہوں گے تو یہی ایک منٹ کا اشتہار دو لاکھ کا ہو جائے گا۔

اتنے زیادہ لوگ آپ کے چینل کو کیسے دیکھیں گے؟ وہ کون سا طریقہ ہے جس سے لاکھوں کروڑوں لوگ ہر وقت آپ کے چینل سے چمٹے بیٹھے رہیں؟ کھانا کھانے والوں کی نظریں کھانا کھاتے وقت سکرین پر ٹکی رہیں اور کاریگر کام کرتے ہوئے بار بار نگاہیں اٹھا کر اس پر نظر ڈالتے رہیں؟ اس کا واحد طریقہ

یہی ہے کہ لوگوں کو ان کی خواہش اور پسند کی چیز دکھائی جائے۔ یہی وہ دوراہا ہے جہاں سے دین کی دعوت اور میڈیا کے راستے شمالاً جنوباً الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ دین کی دعوت محض اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں......اس میں لوگوں کے دینی نفع کو دیکھا جاتا ہے، ان کی خواہش اور پسند کو نہیں ......اس کا مقصود آخرت کی کامیابی ہے، دنیا کی لذات کا حصول نہیں......اس میں دعوت دینے والا لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز ہوتا ہے، ان کا محتاج اور لالچی نہیں......کوئی سنے یا نہ سنے، کوئی مانے یا نہ مانے، وہ اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے اپنی آواز لگاتا ہے، لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے ''اسلامی موسیقی'' اور ''اسلامی بدنظری'' جیسی قبیح حرکات کا ارتکاب کبھی نہیں کرتا......اور میڈیا......میڈیا نام ہے لوگوں کو خوش کرنے، ان کو مطمئن کرنے، ان کو چینل دیکھتے رہنے پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کا......لوگ سنسنی چاہتے ہیں، بہتان بازی سے خوش ہوتے ہیں، لوگوں کی عزتوں کے کھلواڑ کا تماشا دیکھنا پسند کرتے ہیں، سیاست دانوں یا مذہبی رہنماؤں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں، موسیقی کے دلدادہ ہیں، فحش مناظر دیکھنا چاہتے ہیں، مار دھاڑ اور قتل و غارت سے خوش ہوتے ہیں، ڈرامے کو پسند کرتے ہیں، دین کے نام سے ایسی ڈھیلی ڈھالی اور میٹھی میٹھی باتیں سننا چاہتے ہیں جو ان کی خواہشات کی ''آزادی'' میں مخل نہ ہوں، جو ان کے نفس کے بے لگام گھوڑے کو بری نہ لگیں، جو ان کی غیر شرعی رسومات و بدعات پر ضرب نہ لگائیں، جو ان کو ''خوش رہے رحمٰن بھی، راضی رہے شیطان بھی'' کا سبق پڑھائیں......میڈیا نے لوگوں کی یہ ''ضروریات'' پوری کرنی ہیں، چاہے اس کے لیے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑے، کچھ بھی کرنا پڑے، دینی احکام کی دھجیاں اڑانی پڑیں، انسانی اخلاقیات کا جنازہ نکالنا پڑے، اسے یہ سب کچھ کرنا ہے، بہر صورت کرنا ہے۔ وہ صرف لوگوں کی ان سفلی خواہشات کو پورا ہی نہیں کرتا، ان خواہشات کو مزید ابھارتا اور برانگیختہ کرتا ہے، پھر خود انگیخت کردہ ان خواہشات کو پورا کر کے اپنی دوکان چمکاتا ہے۔ یہ اس کی غذا ہے، اس کی روح ہے، اگر وہ یہ سب نہیں کرے گا، تو مر جائے گا، اس کو کیمونیکیشن کی آکسیجن فراہم کرنے والے اس سے ناراض ہو جائیں گے، سرمایہ داری کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے اسے لائسنس اور اجازت فراہم کرنے والے اس کے سر سے ہاتھ اٹھا لیں گے، اشتہار دینے والی کمپنیاں منہ موڑ لیں گی، ریٹنگ بڑھانے والے لوگ اس کی شکل دیکھنا پسند نہیں کریں گے، پھر وہ کسی یتیم بچے کی طرح بے آسرا، بے سہارا اور لاوارث ہو کر پائی پائی کا محتاج ہو جائے گا۔ تب اس کے پاس دو ہی راستے بچیں گے، اگر تو اس میں دینی غیرت کی ایک بھی رتی باقی ہے تو وہ ان تمام شیطانی طریقوں پر لعنت بھیج کر اپنے اس ''دینی کام'' کو اللہ کی رضا کے لیے بند کر دے گا۔ اور اگر پلید میڈیا کے سنڈاس میں کچھ وقت گذارنے کی نحوست سے اس میں دینی غیرت اور اسلامی حمیت کا ایک قطرہ بھی باقی

نہیں رہ گیا تو پھر وہ شرم وحیا سے بالکل ہی عاری ہو کر ان شیطانی حرکات کو اسلامی لبادہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔ جیسا کہ اس وقت میسج ٹی وی کے محترم عبدالمتین صاحب کر رہے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون......!!

محترم عبدالمتین صاحب ٹی وی پر لائی جانے والی تبدیلیوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پہلی تبدیلی:......جید ترین علماء کرام اور مفتیان سے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ عورت جو کہ معاشرے کا ایک اہم فرد ہے، اسے عزت، وقار اور حیاء وتقدس کے ساتھ چینل پر نمائندگی دی جائے اور اس سلسلے میں حدود وقیود کا خیال رکھا جائے۔''

تبصرہ:

اگر مغربی تہذیب وثقافت اور اس کو پھیلانے والے میڈیا سے اہل دین کے متاثر ہونے اور اس کے پیچھے سرپٹ بھاگنے کی رفتار یہی رہی تو کچھ بعید نہیں کہ کچھ روز بعد اسی یا اس جیسے کسی اور مقدس ''اسلامی ٹی وی'' کی طرف سے یہ اعلان نشر کیا جائے کہ:

''جید ترین علماء کرام اور مفتیان کرام سے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اعضائے مستورہ جو انسانی جسم کے اہم اعضاء ہیں، انہیں پوری ''عزت، وقار اور حیاء وتقدس'' کے ساتھ چینل کی سکرین پر نمائندگی دی جائے اور اس سلسلے میں ''حدود وقیود'' کا پورا خیال رکھا جائے۔''

ہم اِس اندازِ تفہیم پر محترم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں مگر کیا کیجیے کہ مغربی میڈیا کی غلاظت اور ہمارے میڈیا کی طرف سے اس کی تقلید کی رفتار کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ روز بد بہت دُور نہیں، بالکل سامنے نظر آ رہا ہے۔

اور ہاں......! وہ ''جید ترین'' علماء کرام کون ہیں جو اس ٹی وی کو ان ''اسلامی'' حرکات کا جواز فراہم کر رہے ہیں؟ اَب تک کے مسلسل استفسار کے باوجود میسج ٹی وی کے ذمہ دار محترم ان کا نام بتانے سے گریزاں ہیں۔ اب دو ہی صورتیں نظر آتی ہیں، یا تو یہ صاحب لوگوں کو دھوکہ دیتے ہوئے از خود ہی ''جید ترین علماء'' کے الفاظ استعمال کر کے اپنی سرمایہ داری کو بچانے کے لیے دجل اور فریب سے کام لے رہے ہیں...... اللہ کرے ایسا ہی ہو......اور یا پھر خدانخواستہ خدانخواستہ واقعتاً ایسے کچھ معزز اور ''جید'' علماء کرام موجود ہیں جو پسِ پردہ اس سلسلے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے سند جواز فراہم کر رہے ہیں......اللہ کرے ایسا نہ ہو...... لیکن افسوس کہ ایسا ہونا کچھ زیادہ بعید بھی نہیں......جس دنیا میں ''راسخ العقیدہ سنی، شعوری حنفی اور متصلب دیوبندی'' رہتے ہوئے غامدی پٹھوں کی پوری پوری پشت پناہی مسلسل کرنا اور اس کے لیے اکابر علماء کرام کو دھوکہ دینا ممکن ہے، اس دنیا میں ''عزت وقار اور حیاء وتقدس'' کے ساتھ ساتھ عورتوں کو سکرین پر لا بٹھانا اور موسیقی کی دھنیں بکھیرنا بھی کچھ غیر ممکن نہیں......اللہ جل شانہ ہی ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔

محترم عبدالمتین صاحب مزید لکھتے ہیں:

''دوسری تبدیلی:......ایسی دستاویزی فلمز یعنی ڈاکومنٹریز جو تاریخ، ادب، عالمی حالات، سیاحت، یا دیگر عنوانات پر مشتمل ہوں اور ان میں بیک گراؤنڈ میوزک کا استعمال کیا گیا ہو، انہیں اپنی نشریات کا حصہ بنانا۔''

تبصرہ:

آہ......! ان صاحب کو کون سمجھائے کہ اگر آپ کو اپنی دینی دعوت ہی لوگوں تک پہنچانی تھی تو اسے بغیر تصویر کے صرف آڈیو کے ذریعے بھی لوگوں تک پہچانا ممکن تھا، مگر آپ نے یہ عذر کیا کہ بغیر تصویر کے صرف آڈیو کو لوگ شوق اور توجہ سے دیکھتے نہیں ہیں۔ کاش آپ اس بات کو سمجھ سکتے کہ جس دن آپ نے لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی دلچسپی کو ''ضرورت اور مجبوری'' کے دائرے میں شامل کیا تھا اسی روز آپ کا قبلہ مکہ سے ہٹ کر لندن کی طرف ہو گیا تھا، اب وہی طبقہ جو دین کی بات سننے کے لیے آڈیو پر قانع نہیں تھا اور ویڈیو کا تقاضا کر رہا تھا، آج وہی طبقہ سوکھی ویڈیو دیکھ کر دین کی بات سننے سے اکتا چکا ہے اور ان کے باشرع حلیوں کے اندر مچلتی نفسانی خواہشات انہیں خواتین کی زبانی موسیقی کی دھنوں کے ساتھ ساتھ ''دین کی بات'' سننے کا تقاضا کرنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ آج آپ ان کی اس خواہش کو ''ضرورت اور مجبوری'' قرار دے کر اسے پورا کرنا چاہ رہے ہیں، کل کو یہی طبقہ اس خواہش پرستی میں مزید ترقی کر کے رقص دکھانے کا مطالبہ کرے گا، پرسوں یہی طبقہ انگریزوں کے راستے پر چلتے ہوئے چوپاؤں سے بدتر ہو کر اس سے زیادہ حیا سوز مناظر دکھانے کی خواہش کرے گا......آپ کون کون سے طریقے سے ان کی خواہشات کو پورا کر کے انہیں دین کی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری اٹھائیں گے؟ ذلت، پستی اور بے غیرتی کی کون سی کھائیوں تک اپنے آپ کو گرائیں گے؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ابھی سے آپ اپنے آپ کو سنبھال لیں اور ٹی وی، میڈیا کے شیطانی طریقوں کو راہِ نجات سمجھنے کے بجائے مسجد، مدرسہ، دعوت و تبلیغ اور انفرادی دعوت کے نبوی و مبارک اور پاکیزہ و باوقار طریقوں کو حرزِ جاں بنالیں؟

محترم عبدالمتین صاحب ان دو تبدیلیوں کی ''شرعی دلیل'' مہیا کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''ان دونوں تبدیلیوں کے پیچھے ارادوں کو اللہ رب العزت بہتر جانتا ہے اور یہ تبدیلیاں کم و بیش ایک سال کی مشاورت کے بعد کی گئی ہیں، اور ان تبدیلیوں پر اہل علم کی رائے کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جیسے آج تک ڈیجیٹل تصویر کے معاملے پر دونوں طرف علماء کی رائے ہیں، اسی طرح ان موضوعات پر بھی دونوں طرف رائے پائی جاتی ہیں جس کی تحقیق آپ خود کر سکتے ہیں۔''

تبصرہ:

ان خرافات کے ارتکاب کے جواز کے لیے پیش کی گئی دلیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ ان کے جواز وعدم جواز میں ''اختلاف'' ہے، اور جس کام میں اختلاف ہو اسے کر لینے کی گنجائش ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ سب سے ''بھاری'' اور ''وزنی'' دلیل ہے جس کے زور پر پوری امت مسلمہ کو ایثار، قربانی، زہد وتقویٰ، انفاق فی سبیل اللہ، صلہ رحمی، ذکر اللہ مجاہدے اور ذوق عبادت کے ایمانی راستوں سے ہٹا کر خواہش پرستی، حسد، بغض، جھوٹ، دھوکہ، فحاشی، عریانی اور حب دنیا کے گڑھوں میں گرا کر جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ہر کس وناکس اور ہر پروفیسر ومفکر کا اختلاف اس قابل ہے کہ اسے قابل اعتناء سمجھ کر جمہور امت کے موقف کو پسِ پشت ڈال دیا جائے، اور نہ مستند اور راسخ العقیدہ علماء کرام کے اختلاف کی صورت میں ہی یہ کوئی شرعی ضابطہ یا اصول ہے کہ عوام الناس اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر جس کے مرضی قول کو خود ہی اختیار کر کے من مانی کے راستے پر بگٹٹ گھوڑے دوڑانے لگیں۔ اس امت کے فقہائے کرام اور مجتہدین عظام نے اگر بعض مسائل میں آپس میں اختلاف کیا ہے تو امت کو اس اختلاف میں اپنے لیے راہِ عمل تلاش کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے، اس کے اصول بھی بیان فرمائے ہیں...... آپ فقہ اور اصول فقہ کے تمام مستند قدیم وجدید ذخیرے کھنگال جایئے، آپ کو کسی ایک جگہ بھی یہ اصول نہیں ملے گا کہ کوئی بھی کام کرنا ہو تو پہلے اس میں کہیں سے بھی...... کوئی سے بھی...... دو افراد کا اختلاف تلاش کر لو...... اور جب اختلاف مل جائے تو اب جو چاہے کرو۔

شاذ اور مرجوح قسم کے اقوال ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرنا اور ان پر عمل کرنا فقہ حنفی یا فقہ شافعی نہیں فقہ شیطانی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی کی دعوت کریں تو روٹی سالن اور چاول کے بجائے دسترخوان پر چھلکوں کا ڈھیر لگا دیں، اور مہمان اس پر احتجاج کرنا چاہے تو اسے یہ ''دانشورانہ'' دلیل دے کر خاموش کروا دیں کہ میں نے خود بڑے بڑے حکماء کی کتب میں ان چھلکوں سے بننے والے نسخوں اور ان کے فوائد کو پڑھا ہے، تم کون ہوتے ہو جو اپنی تنگ نظری، تشدد اور جمود پر مصر ہو کر ان کو کھانے سے انکار کرتے ہو اور خوامخواہ تنگی اور مشقت پر عمل کر رہے ہو......؟ جس طرح کسی حکیم کی کتاب میں کیلے کے چھلکے سے تیار ہونے والا کوئی نسخہ دیکھ کر اس چھلکے کو غذا کا معمول بنا لینا درست نہیں اسی طرح فقہا کی کتب میں سے شاذ اور مرجوح اقوال تلاش کر کے ان کو جمع کر لینا اور انہی کو مفتیٰ بہ اقوال کا درجہ دے دینا بھی کسی حماقت سے کم نہیں۔ ایسا صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کا معبود ان کا نفس ہے لیکن وہ اپنے نفس کی خواہشات کو نفس کی خواہشات کہہ کر ان پر عمل کرنے کی اخلاقی جرأت نہیں رکھتے تو لوگوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی دھوکہ دینے کے لیے انہی

فقہائے کرام کے غیر ثابت یا شاذ اقوال جمع کرنے لگتے ہیں جن فقہائے کرام سے تمسخر کرنا اور ان پر سے امت کا اعتماد ہٹانا ان کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنی شہرہ آفاق درسی تقریر ''درسِ ترمذی'' میں صفحہ نمبر ۱۲۶/ سے ۱۳۷/ تک ''تقلید ائمہ کا مسئلہ'' کے عنوان سے خاصی جامع گفتگو فرمائی ہے جس میں قرآن کریم اور تقلید، حدیث اور تقلید، عہد صحابہ میں مطلق تقلید، عہد صحابہ میں شخصی تقلید، تقلید کے مختلف درجات، عوام کی تقلید، متبحر عالم کی تقلید، مجتہد فی المذہب کی تقلید، مجتہد مطلق کی تقلید، اور تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات کے عناوین کے تحت بہت ہی قیمتی، مدلل اور نفیس بحث موجود ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ اس پوری بحث کو من وعن قارئین کرام کے لیے نقل کر دیا جائے تاہم صفحات کی تنگ دامانی سے لاچار ہو کر ہم سردست اس بحث کی چند سطور ہی قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ تقلید شخصی کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں:

''پہلے تو یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اتباعِ ہویٰ قرآن کریم کی بے شمار تصریحات کے مطابق انتہائی سنگین بیماری ہے۔ پھر اتباع ہویٰ ایک تو یہ ہے کہ انسان حرام کو حرام سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور اس سے بھی بدتر صورت یہ ہے کہ انسان اتباعِ ہویٰ کے تحت حرام کی حرمت ہی سے انکار کر دے۔ یہ شکل اس لیے بہت بری ہے کہ اس میں انسان کو اپنے فعل پر ندامت بھی نہیں ہوتی، فقہاء کرام نے یہ محسوس کیا کہ قرونِ اولیٰ میں دیانت عام تھی، اس لیے تقلیدِ مطلق میں اتباعِ ہویٰ کا کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن بعد میں دیانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا، لہٰذا اگر تقلیدِ مطلق کا دروازہ بالکل کھلا رکھا گیا تو لوگ اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق جس امام کے قول میں آسانی دیکھیں گے اسے اختیار کر لیں گے، اور یہ وہ سنگین گمراہی ہے جس کے خلافِ اسلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ خود علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس طرزِ عمل کو انتہائی مذموم قرار دیا ہے کہ نفسانی خواہشات کی پیروی میں کبھی کسی امام کا قول اختیار کر لیا جائے اور کبھی کسی امام کا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس بات کی کھلی آزادی دے دی جائے کہ جس مجتہد کا چاہے قول اختیار کر لو! تو دین ایک کھلونا بن کر رہ جائے، کیونکہ اکثر مجتہدین کے یہاں کچھ نہ کچھ منفرد اقوال ایسے ملتے ہیں جو خواہشاتِ نفس کے مطابق ہوتے ہیں۔ مثلاً: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن جعفر کی طرف موسیقی کا جواز ''منسوب'' ہے، حضرت قاسم بن محمد کی طرف منسوب ہے کہ وہ بے سایہ تصویروں کو جائز کہتے تھے، مالکیہ میں امام سحنون کی طرف اپنی زوجہ کے ساتھ وطی فی الدبر کا جواز منسوب ہے، امام اعمش سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک روزہ کی ابتداء طلوعِ شمس سے ہوتی ہے، ابن

حزم ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے برہنہ دیکھنا بھی جائز ہے، نیز انہی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد سے پردہ کرنا مشکل ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس بالغ مرد کو اپنی ثدی سے دودھ پلا دے، اس طرح حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی اور پردہ اٹھ جائے گا، اور حضرت عطا بن ابی رباح کا مسلک یہ ہے کہ اگر عید کا دن جمعہ کے روز آجائے تو اس دن ظہر اور جمعہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

غرض اس طرح اگر کوئی شخص ایسے اقوال کو تلاش کر کے ان پر عمل شروع کر دے تو ایک ایسا دین تیار ہو جائے گا جس کا بانی سوائے شیطان اور نفس کے کوئی نہیں۔ اسی لیے بعض اسلاف کا قول ہے کہ **''من اخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام''** (یعنی جو شخص علماء کے شاذ اقوال جمع کر کے ان پر عمل کرنا شروع کر دے وہ (اس خواہش پرستی کے نتیجے میں) آخر کار اسلام سے ہی خارج ہو کر رہتا ہے)۔''

[درسِ ترمذی: ۱/۱۳۱]

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی یہ تحریر ان حضرات کے لیے تو امید ہے کہ شافی ثابت ہوگی جو حقیقتاً دین پر چلنا چاہتے ہیں اور جن کا مقصود اللہ جل شانہ کی رضا کی تلاش ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنی خواہشات پر چلنے ہی کی ٹھان لی ہے، ان کے کانوں پر کسی نبی کی بات کا اثر بھی کبھی نہیں ہوا، ایک عالم کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

آخری بات:

جب تک ہمارے حضرات کا مجموعی موقف ٹی وی کے عدم جواز کا رہا، ہمارا دین دار طبقہ اس لعنت سے محفوظ ہی رہا۔ جب ڈیجٹل تصویر کے جواز و عدم جواز کی بحث شروع ہوئی تو اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر ہمارا طبقہ میڈیا اور سوشل میڈیا کی طرف آیا اور جب آیا تو اس کی تمام تر نحوستوں اور غلاظتوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ بات شروع تو صرف ڈیجیٹل تصویر کے جواز سے ہوئی تھی، لیکن رکی اس پر نہیں، اب غیر محارم کی تصاویر کیا اور موسیقی کیا، ہر ناجائز اور حرام کام میں ابتلائے عام ہوتا چلا جا رہا ہے، یہ سلسلہ کسی طور رکنے میں نہیں آرہا......اس وقت جو علماء کرام ڈیجیٹل تصویر کے جواز کے قائل ہیں، ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اس جواز کے نتیجے میں پیش آنے والے محرمات میں ابتلاء کی کھلے اور واضح الفاظ میں سختی سے روک تھام کریں، مشتبہات کا جو دروازہ انہوں نے کھولا ہے اس دروازے سے آگے کوئی مضبوط بند باندھیں جس سے امت اس دروازے سے آگے محرمات کی حدود میں داخل نہ ہو، اور اگر وہ اس دروازے سے گذرنے والوں کو محرمات کی حدود تک جانے سے نہیں روک سکتے تو امت کی خیر اسی میں ہے کہ گمراہی، فحاشی، عریانی اور دنیا پرستی کے اس بابِ کبیر کو ہی بند کر دیں۔ وما علینا الا البلاغ

☆......☆......☆......☆

افادات: حضرت خواجہ ابوالکلام صدّیقی مدظلہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسانِ عظیم......اوراس کی قدرشناسی

اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم۔لَقَدمَنَّ اللّٰہ عَلَی المئو منین اذ بعث فیھم رسولاً مِّن انفسھم یتلوعلیھم اٰیتہ ویز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلٰلٍ مبین۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقدس کلام کی اس آیت مبارکہ میں ایمان، رسول اللہ ﷺ سے نسبت، قرآن مجید سے وابستگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کو عظیم نعمت و سعادت قرار دیا ہے۔ جس کی مختصر تفسیر مع ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

لقدمن الله علی المومنین: ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا۔

۱......آیت کا آغاز ''لَقَد'' سے کیا گیا ہے، ماضی کے صیغے سے پہلے قَد لگانے سے بات میں یقین کی پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے پہلے لام تاکید کا اضافہ بھی موجود ہے اب اس کا مفہوم یوں ہو گیا: یقیناً یقیناً۔ یعنی نہایت پکی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا۔

۲......اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی بے شمار نعمتیں ذکر کی ہیں اور یہ چیلنج بھی فرمایا ہے کہ تم اگر چاہو تو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے، مگر ان نعمتوں کے لیے لفظ ''مَنَّ'' کا استعمال نہیں فرمایا اور اس آیت میں لفظ مَنَّ کا استعمال ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں جس نعمت کا ذکر آرہا ہے وہ سب سے بے مثال اور عظیم الشان نعمت ہے۔

لفظِ ''مَنّ'' کے معنی:

لفظ مَنَّ کے دو معنی ہیں: مَنَّ کے ایک معنی: خصوصی احسان کے ہیں اور دوسرے معنی: منقطع کر دینا ہے۔ یعنی وہ نعمت جو پریشانیوں اور محرومیوں کو بالکل ختم کر دے۔

علی المو منین: (ایمان والوں پر) اس عظیم احسان اور بے مثال نعمت سے حقیقت میں فائدہ اٹھانے والے وہ ہیں جو ایمان والے ہیں، اس امت میں اولین ایمان والے جو ایمان میں پختہ تھے اور ایمان پر جن کی وفات کی خبر دی گئی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں بعد والوں میں اس خوشخبری میں وہ خوش نصیب شامل ہوں گے جو ایمان میں اس مقدس جماعت کے پیروکار رہوں گے۔

اِذ بعث فیھم رسولا من انفسھم: ترجمہ: جب اس نے ان میں خود ان ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا۔ان کلمات میں خاص طور پر دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں ایک یہ کہ " الرّسول "یعنی معرف باالّام لانے کی بجائے"رسولاً" نکرہ لایا گیا ہے،جس میں رسول اکرم ﷺ کی عظمت اور فضیلت کے لامحدود ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

من انفسھم (ان ہی میں سے): دوسرے یہ کہ من انفسھم (ان ہی میں سے) میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ ان ایمان والوں میں سے ہیں ۔چونکہ یہ ایمان والے بشر ہیں، اِس لیے اس سے آپ ﷺ کی بشریت پوری طرح واضح ہو رہی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے نسبت عالیہ کی سعادت بیان کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اہل ایمان کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے چار بنیادی کام بیان کیے گیے ہیں:

۱)......**یتلو علیھم اٰیتہٖ:** ترجمہ: وہ ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کا تلاوت کرنا تین وجہ سے تھا۔

۱۔تلاوت برائے تلاوت یعنی اجر وثواب کے لیے

۲۔تلاوت برائے تعلیم التجوید

۳۔تلاوت برائے تبلیغِ دین

اس جگہ تلاوت برائے تعلیم التجوید مراد ہے۔اور لفظ تلاوت میں پیروی کا مفہوم شامل ہے جس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ،ایک یہ کہ قرآن مجید کا پڑھنا برائے مطالعہ نہیں بلکہ برائے عمل ہے۔دوسرے یہ کہ قرآن مجید کی تلاوت اپنی مرضی سے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کے انداز یعنی تجوید کے مطابق کرنی چاہیے۔

۲)......**ویزکیھم:** (اور وہ ان کو پاکیزہ بناتے ہیں)

یعنی ایمان اور نیک اعمال جن پر انسان کی نجات اور اس کے درجات کا انحصار ہے ان کے لیے پاکیزگی ضروری ہے زکوۃ اور طہارت دونوں لفظوں کے معنی پاکیزگی کے ہیں۔

طہارت: جبکہ طہارت اس پاکیزگی کو کہتے ہیں جس کے اثرات باہر سے اندر دل کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

تزکی: وہ پاکیزگی ہے جس کا مرکز دل ہے اور اس کے اثرات دل سے جسم، لباس اور مال وغیرہ پر ظاہر ہوتے ہیں تزکی کے معنی پاکیزہ ہونے کے ہیں اور پاکیزہ ہونا مزّکی یعنی پاکیزہ کرنے والے کے بغیر نہیں ہوتا پاکیزہ کرنے کو تزکیہ کہتے ہیں۔

یہاں رسول اکرم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پاکیزہ کرنا بیان کیا گیا ہے یہ اس جماعت کے پاکیزہ ہونے کی خدائی سند ہے۔

۳)......**ویعلمھم الکتاب**: ترجمہ: اور وہ ان کو کتاب یعنی قرآن مجید سبقاً سبقاً سمجھاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تعلیم جن الفاظ میں فرمائی ان کا مجموعہ حدیث کہلاتا ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن کی زبان قرآن مجید کی زبان کی طرح عربی تھی، قرآن مجید سمجھنے کے لیے ان کو بھی حدیث کی ضرورت تھی تو پھر بعد والے لوگ حدیث کے بغیر قرآن مجید کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

لٰہذا قرآن مجید کے فہم کے لیے حدیث کا وجود اس کی محفوظیت اور اس کی حجّیت ماننا اور فہمِ حدیث میں مہارت رکھنے والے علماء حق سے استفادہ ضروری ہے

۴)......**والحکمۃ**: (اور حکمت کی)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان کو سنتوں اور احکام کی حکمتوں اور علتوں کی تعلیم دی، تاکہ ان میں سے مجتہدین عوام کے فائدہ کے لیے نئے احکام و مسائل میں حسبِ ضرورت اجتہاد کرسکیں۔ احکام و مسائل کے مجموعے کو فقہ کہتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید سمجھنے کے لیے حدیث اور اس کے احکام کی تعمیل کے لیے فقہ ضروری ہے۔

وان کانو من قبل لفی ضلٰلٍ مّبین: ترجمہ: اور یقیناً اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

جس سے معلوم ہوا کہ گمراہی سے حفاظت اور ہدایت پر استقامت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ سے نسبت رکھنے والے، اہل حق سے وابستگی ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا نعمتِ کبریٰ ہونا، قرآن مجید کا نعمتِ عظمیٰ ہونا اس کی محفوظیت، حدیث اور فقہ کا وجود، اہل حق کا سبیل المومنین کی صورت میں تسلسل، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت کے دلائل اور شواہد ہیں اور ان سے وابستگی دنیاوی عزت اور ہماری اُخروی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! امین

☆......☆......☆......☆

افادات: قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (ضبط وترتیب: حنظلہ منہاس)

خصوصیات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

’یارِ غار‘ کا قرآنی لقب:

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اہل ایمان کو اصحابی (میرے اصحاب) کے لقب سے مشرف فرمایا جو بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور صحبت سے فیض یاب ہوئے لیکن یہ خصوصی شرف تمام اصحاب میں سے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو صاحب الرسول ہونے کا عظیم لقب عطا فرمایا ہے۔

چنانچہ فرمایا: (ترجمہ) دو میں دوسرے تھے جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یار ورفیق سے فرمارہے تھے کہ تو (میرا) غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔[پارہ:۱۰، التوبہ:۴۰/۴]

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: رفیق غار ابوبکر صدیق ہیں ہجرت میں فقط یہی تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، اور اصحاب بعضے پہلے نکل گئے تھے بعضے پیچھے نکل آئے۔[موضح القرآن]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحب رسول اور یار غار ہونے کی حق تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عامہ عطا فرمائی کہ بطور محاورہ یار غار کا اطلاق ایسے رفیق ودوست پر کیا جاتا ہے جس کی دوستی نہایت خلوص ومحبت پر مبنی ہوتی ہے۔

بہر حال یار غار اور یار مزار ہونا ان خصوصیات صدیقی میں سے ہے جو قیامت تک اہل ایمان کے لیے مرکز عقیدت بنی رہیں گی۔[سنی مؤقف:۷۶]

دربار نبوی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ’صدیق‘ کا لقب:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج سے واپسی پر ایک شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ آپ ابھی دربارِ رسالت میں تشریف نہیں لائے تھے۔ اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص راتوں رات بیت المقدس جا کر پھر واپس آ سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ آپ کے یار (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو آج یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ رات کے تھوڑے سے حصے میں بیت المقدس گئے اور پھر واپس بھی آ گئے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے خود تو یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں

سنی......لیکن اگر آپ نے ایسا فرمایا ہے تو اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ بیت المقدس گئے ہیں اور میں تو پہلے ہی آپ کو سچا مان کر بن دیکھے ایمان لا چکا ہوں کہ آپ کے پاس آن کی آن میں وحی آتی ہے اور جبریل امین علیہ السلام آتے ہیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔(تفسیر ابنِ کثیر)

امام محمد باقرؒ نے بھی صدیق کہا:

امام محمد باقرؒ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب کشف الغمّہ میں ہے:

(ترجمہ) عروہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی (امام محمد باقرؒ) سے تلواروں کو (چاندی سے) مرصّع کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار کو مرصّع کیا تھا۔ اس پر میں نے کہا کہ کیا آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں تو امام موصوف اُچھل پڑے اور فرمایا کہ ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں۔ پس جو کوئی اس کو صدیق نہ کہے، اس کی بات کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سچا نہ کرے۔[کشف الغمہ :۲/۱۴۷، مطبوعہ تبریز ۱۳۸۱ھ]

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ کشف الغمّہ کے مؤلف علامہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ نے اس روایت پر کوئی جرح اور تنقید نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اور دربارِ رسالت سے عطا کردہ صدیق کا لقب اتنا مشہور و معروف اور مقبولِ عام ہو چکا ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں جہاں صرف صدیق کا لفظ کہا جائے تو اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی لیے جاتے ہیں رضی اللہ عنہ۔

حضرت صدیق اکبر کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناسبت:

تین خلفائے راشدین شہید ہیں، حضرت صدیق اکبر شہید نہیں۔ بڑی حکمت ہے یہ، کیونکہ صدیقوں کا درجہ شہیدوں سے بڑا ہے۔ **''فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء و الصالحین''.**

صدیق شہید نہ ہو تو پھر بھی اس کا درجہ شہیدوں سے بڑا ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم شہید نہیں ہوئے تو بھی شہیدوں سے بڑھ گئے۔ تین خلفاء کو اللہ تعالیٰ نے مقامِ شہادت دیا لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مناسبت تھی رحمۃ للعالمین کے ساتھ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی شہادت نہیں اور صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی شہادت نہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہوا۔

اس لیے جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ لیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنی اپنی رائے دی، اپنا اپنا مشورہ دیا، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی رائے جدا دی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی

اپنی رائے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! جب یہ کافر کہہ رہے ہیں کہ محمد کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ مٹادو تو آپ مٹادیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں مٹا سکے۔ تھا تو محبت ہی کی وجہ سے یہ رائے کا اختلاف، جرم تو نہیں! لیکن رائے کا اختلاف تو ہو گیا لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس کے ساتھ صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کا اختلاف ہو۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے وہی یارِ غار کی رائے۔

بانی دار العلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے صدیق کی تعریف لکھی ہے کہ صدیق وہ ہے کہ اس کا قلب اتنا صاف اور نورانی ہوتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک سینے میں جو فیض آتا ہے اس کا عکس صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے پر پڑتا ہے۔ صدیق کا مقام کوئی معمولی بات ہے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل المہاجرین ہیں:

مہاجرین سارے جنتی ہیں، سب پر اللہ نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے لیکن مہاجرین کے بھی درجات ہیں، ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ مسلمانوں کے لیے ہجرت اعلیٰ صفت ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت فرمائی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نمونہ ہوتا ہے تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کرنے والوں میں کس کی ہجرت اعلیٰ ہے؟ تو اس میں بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام مہاجرین میں افضل نظر آتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ہجرت وہ ہے کہ جو خود نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ساتھ ہے۔

ایک آدمی تنہا نماز پڑھتا ہے، صحیح پڑھی تو ثواب ہے اور ایک آدمی کسی امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھتا ہے تو اس کا ثواب تنہا نماز پڑھنے والے سے بڑھ گیا۔ ایک آدمی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو اس کا ثواب اس آدمی کی نماز سے بڑھ گیا جس نے کسی اور کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جو نماز ہے اس کی فضیلت تو زیادہ ہوگی۔ تو جس طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں جو آدمی نماز پڑھتا ہے اس کی نماز کا درجہ ثواب اس سے زیادہ ہے جو کسی اور کے پیچھے پڑھتا ہے۔ اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نصیب ہوئی تو مہاجرین میں بھی درجہ آپ کا بڑھ گیا اور آپ افضل المہاجرین ہوئے۔

دنیا میں سب سے اعلیٰ اور افضل باجماعت نمازیں:

شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھانے کے لیے مصلیٰ پر کھڑا کردیا۔ انبیاء کرامؑ اور ملائکہ عظامؑ نے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ یہ سب سے اعلیٰ اور افضل باجماعت نماز تھی۔ کیونکہ اس میں امام حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور مقتدی انبیاء علیہم السلام وملائکہ ہیں۔......اس کے بعد دوسرے درجے کی نماز باجماعت وہ ہے جس میں امام حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم اور مقتدی صحابۂ کرام تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔......تیسرے درجے کی افضل نماز باجماعت مسجد نبوی کی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مرض الموت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور مقتدی وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی ہوا کرتے تھے اور وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامِ نماز ہوتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مقتدی اور ان مقتدیوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے خاندانِ نبوت کے افراد بھی ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نمازیں پڑھانا اس امر کی دلیل ہے کہ وصالِ نبوی کے بعد بھی آپ کے پہلے جانشین اور خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بلافصل ہونے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دیا ہوتا تو مرض الموت میں اپنے مصلّے پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو ہی امام نماز بنانے کا حکم فرماتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امامت کے امام اول اور خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

روضۂ مقدسہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت:

قرآن مجید میں فرمایا: (ترجمہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہیں وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔ [الفتح، پ:۲۶]

حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور صحبت میں رہنے والوں کی یہاں چند اعلیٰ صفات بیان فرمائی ہیں۔ یوں تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ درجہ بدرجہ ان صفاتِ کاملہ سے متصف ہیں لیکن شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کو یہ خصوصی فضیلت حاصل ہے کہ وہ وفات کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں قیامت تک کے لیے روضۂ مقدسہ میں آرام فرما ہیں اور ان کو اس معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو فیوضات حاصل ہیں وہ کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔

ان کی معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ حضرات جسم سمیت اس جنت کے ٹکڑے میں آرام فرما ہیں جو قیامت کے دن جنت میں شامل کر دیا جائے گا اور روضۂ مقدسہ کے متعلق جنت کا ٹکڑا ہونا نہ صرف حدیث اہل سنت بلکہ اہل تشیع کی کتاب حدیث میں بھی امام جعفر صادق کی روایت سے

ثابت ہے۔ یعنی شیخین کے جنتی ہونے میں کسی اہلِ دین و دیانت کو شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

قیامت میں شیخین رسول اللہ کے ساتھ قبروں سے اٹھیں گے:

حدیث میں ہے: (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح ہم قیامت کے دن اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس ارشادِ رسالت سے ثابت ہوا کہ قیامت تک **شیخین** رضی اللہ عنہما حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روضۂ مقدسہ میں رہیں گے اور کوئی دشمن رسول اور دشمن **شیخین** ان کے اجسادِ مبارکہ کو روضۂ مقدسہ سے نکال نہیں سکتا۔ ☆......☆......☆......☆

صفحہ نمبر 30 کا **بقیہ**......(معتمد اور غیر معتمد تفاسیر)

غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں، کیا قدیم کیا جدید، مثل ایسے غلہ کے انبار کے ہیں جس میں کنکر، پتھر، کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور ان میں تمام صحیح و موضوع، جھوٹی اور سچی، سند اور بے سند، ضعیف و قوی، مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں۔

وہ (روایتیں) الف لیلہ و قصہ حاتم طائی سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں، اس لیے کہ اپنے ثبوت کے لیے بالکل محتاج دوسری سند یا دلیل یا کسی اور وجہ قابل اعتماد کی ہیں۔ پس اگر وہ روایتیں اور کتابیں ہمارے مذہب کی بنیاد قرار پائیں اور ان پر مسائل مذہب کا مدار ٹھہرے تو مسلمانی مذہب تو لونڈوں کا کھیل اور دیو پری کا قصہ ہو جائے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

اگر ان کتابوں کو ہم استنباط مسائل مذہبی میں دخل دیں تو ہم صاف صاف ہندوؤں کے مقلد ہوں گے جنہوں نے مہابھارت کو اپنے ہاں کتب مقدسہ میں داخل کر لیا ہے۔

مسلمان مؤرخوں نے جو کتابیں اسلام کی تاریخ کی لکھی ہیں، خواہ وہ سنی عالموں کی مکمل ہوئی ہوں یا شیعہ عالموں کی، لغویات و مہملات اور جھوٹے قصوں اور موضوع روایتوں سے بھری ہوئی ہیں اور غلو مذہبی نے اور اختلاف مذہبی نے ان کو زیادہ تر بدنما اور درجہ اعتبار سے ساقط کر دیا ہے بلکہ اصلی واقعات کو ایسا خراب کیا کہ ان کی اصلی حالت دریافت کرنی مشکل ہے۔ [بحوالہ افکار سرسید: ۴۴، ۴۵]

(جاری ہے۔۔۔)

مولانا انس رحیم

عیدالاضحیٰ سے متعلقہ چند ضروری احکام وہدایات

جانور خریدنے سے پہلے:

(۱) حلال رقم کا بندوبست کریں۔......(۲) اللہ رب العزت کی رضا کا حصول اور فرض کی تکمیل کا جذبہ دل میں پیدا کریں۔......(۳) نمود ونمائش کے جذبات دل سے دفع کریں!......(۴) حصہ داری کرنے کا ارادہ ہوتو ابھی سے حصہ دار چن لیں۔ یہ عمل مستحب ہے۔......(۵) جس شخص کے بارے میں تحقیق ہو کہ اس کی آمدنی حرام ہے اس کو حصہ دار نہ بنائیں!......(۶) ذوالحجہ کا چاند نظر آنے سے پہلے حجامت بنوالیں! ناخن اور زائد بال کاٹ لیں۔ یہ عمل مستحب ہے۔

جانور خریدتے وقت:

(۱) جس جانور کے بارے میں غالب گمان ہو کہ چوری کا ہے اسے نہ خریدیں۔......(۲) جھوٹ اور جھوٹی قسموں سے بچیں!......(۳) دوسرے مسلمان بھائی کا سودا طے ہو چکا ہو تو اس کا سودا خراب نہ کریں!

جانور کو خوب اچھی طرح دیکھیں، خصوصا ان چیزوں کا ضرور لحاظ رکھیں:

گائے کی عمر دو سال سے کم نہ ہو، اونٹ کی پانچ سال سے اور بکری کی ایک سال سے کم عمر نہ ہو۔ دنبہ بھیڑ چھ ٦ / ماہ یا اس سے زیادہ کا ہو لیکن دیکھنے میں سال والے کے برابر معلوم ہوتا ہو تو قربانی ہو جائے گی۔ گائے، اُونٹ اور بکری میں یہ مسئلہ نہیں۔ ان کی عمر پوری ہونا ضروری ہے۔

......کان، زبان، دم، ان اعضاء میں سے کوئی عضو نصف سے زیادہ کٹا ہوا نہ ہو، آنکھ کی روشنی نصف سے زیادہ ضائع نہ ہو۔ (تہائی اور تہائی سے زیادہ کا فتوی بھی موجود ہے)

......سینگ اس قدر ٹوٹے ہوئے نہ ہوں کہ ٹوٹنے کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو۔ ورنہ قربانی نہ ہوگی۔

...... جان بوجھ کر ولادت کے قریب جانور کو خرید کر قربانی کرنا مکروہ ہے۔ بانجھ کی قربانی جائز ہے۔ خصی کی قربانی زیادہ افضل ہے۔

......ایسا جانور جو چارہ نہ کھا سکتا ہو یا چل ہی نہ سکتا ہو، کی قربانی درست نہیں۔

......جنگلی نسل کے جانور کی قربانی درست نہیں۔ ......خنثی مشکل جانور کی قربانی جائز نہیں۔

خریدنے کے بعد:

(۱) جانور کی خدمت کریں۔ اسے کسی قسم کی ایذا نہ دیں۔......(۲) ایسی جگہ باندھیں جہاں آنے جانے والوں کو تکلیف نہ ہو۔......(۳) جانور کے گلے میں بجنے والی گھنٹی نہ ڈالیں۔......(۴) اس پر سواری کریں، نہ ہی اس کا دودھ خود پییں! اگر دودھ نکال لیا تو اسے صدقہ کر دیں! اس کی قیمت غریب کو صدقہ کر دے تو خود پینا جائز ہے۔......(۵) نمود ونمائش کا اظہار نہ کریں۔......(۶) حصہ داری میں قربانی کر رہے ہوں تو حصہ داروں کو تمام معاملات میں ساتھ لے کر چلیں!

قربانی کی تیاری:

(۱) صحیح العقیدہ مسلمان قصائی کا انتخاب کرلیں!......(۲) قصائی کی اجرت پہلے سے طے کرلیں! ......(۳) قربانی کی کھال مستحق اور مستند دینی اداروں کو دینے کی کوشش کریں!

قربانی کرتے وقت: (قربانی کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں!)

(۱) چھری پہلے سے خوب تیز کرلیں۔......(۲) ذبح سے پہلے جانور کو چارہ کھلالیں، پانی پلالیں۔ ......(۳) جب شہر میں کسی ایک جگہ نماز عید ہوجائے تب قربانی کریں!......(۴) خود ذبح کریں، ورنہ کم از کم ذبح کے وقت وہاں موجود رہیں۔......(۵) ذبح کے وقت تماشا نہ بنائیں!......(۶) جس کروٹ پر جانور گرے اسی کروٹ پر ذبح کردیں۔ گھسیٹ کر قبلہ رخ نہ کریں! کوشش کریں کہ جانور قبلہ رخ گرے۔ قبلہ رخ کرنا صرف مستحب ہے جبکہ جانور کو گھسیٹ کر اسے ایذاء دینا ممنوع ومکروہ۔......(۷) چھری پھیرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہیں!......(۸) کم از کم تین رگیں ضرور کاٹیں!......(۹) ذبح کردینے کے بعد دل میں یا حرام مغز میں چھریاں گھونپنا مکروہ عمل ہے۔......(۱۰) کھال کو کٹ لگنے سے بچائیں!

قربانی کے بعد:

(۱)......گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک حصہ اپنے رشتہ داروں اور احباب میں ہدیہ کریں! ایک حصہ غرباء میں صدقہ کریں اور ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے رکھیں!

(۲)......سات اشیاء نہ کھائیں:......[۱] بہتا خون۔......[۲] پیشاب کی جگہ۔......[۳] پاخانہ کی جگہ۔......[۴] پتہ۔......[۵] مثانہ۔......[۶] غدود۔......[۷] کپورے۔ باقی تمام اشیاء حلال ہیں۔

(۳)......قربانی کے جانور کا گوشت، چربی اور ہڈیاں بیچنا جائز نہیں۔ اگر بیچ دیا تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔......

(۴)......غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے۔ وَاللہ اَعْلَمُ

مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود

اسلام اور طہارت

اسلام انتہائی پاکیزہ مذہب ہے، یہ اپنے ماننے والوں طہارت و پاکیزگی کا حکم دیتا ہے، اللہ تبارک وتعالی نے بنی آدم کو اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق کتاب وسنت کی شکل میں جو احکام اور ہدایات عنایت فرمائے ہیں اگر حقیقی معنوں میں ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہر فرد کا ظاہر و باطن، اس کا جسم ولباس، رہنے کی جگہ، گھر بار، گلی، محلّہ، ماحول حتی کہ پورا معاشرہ سب پاکیزگی کے مظہر بن جائیں گے۔ طہارت والوں یعنی پاک صاف رہنے والوں کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں، چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے: إن اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطھرین. (۱) ترجمہ: بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اسلام کی ان تعلیمات کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طہارت و پاکیزگی کا خوب اہتمام فرماتے تھے جس کی وجہ سے قرآن کریم مجید میں اللہ تعالی نے ان کی تعریف میں ارشاد فرمایا: فیہ رجال یحبون أن یتطھروا واللّٰہ یحب المطھرین. (۲) ترجمہ: اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ طلح بن نافع کہتے ہیں کہ مجھے ابو ایوب انصاری، جابر بن عبد اللہ، اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے بتلایا کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا: اے گروہ انصار! اللہ تعالی نے طہارت کے بارے میں تمہاری تعریف بیان کی ہے تو تمہاری طہارت و پاکی کیا ہے؟ انصار نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وہ طہارت و پاکی ہے جس کی اللہ نے تعریف کی ہے، پس تم اسے لازم پکڑو۔ (۳)

طہارت کا معنی ومطلب: طہارت کسے کہتے ہیں؟ اس کا کیا معنی ومطلب ہے؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟ ان تفصیلات کو جاننے کے بعد ہی انسان منشا خداوندی کے مطابق پاکیزگی حاصل کر سکتا ہے۔ طہارت عربی زبان کا لفظ ہے، طھر یطھر باب کَرُمَ سے مصدر ہے، لغت میں طہارت کے معنی مطلق طور پر صفائی و پاکیزگی کے ہیں (۴)، فقہی اعتبار سے حدث اور نجاست سے پاکیزگی حاصل کرنے کو طہارت کہتے ہیں (۵)، جبکہ شرعاً طہارت' اللہ کی منع کردہ چیزوں سے اپنے آپ کو روکنے یعنی خود کو گناہوں سے پاک رکھنے اور اللہ

تعالی کے اوامر سے خود کو مزین کرنے کو کہتے ہیں۔ بعض دفعہ اطلاقات شرعیہ میں طہارت من الارجاس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی اس سے مراد کفر وشرک اور معصیت سے پاک ہونا ہوتا ہے، چناں چہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (۶) ترجمہ: اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے (شرک وکفر کی) گندگی دور رکھے اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔

اقسام طہارت: طہارت کی ابتدا میں دو بڑی قسمیں ہیں: طہارت معنویہ اور حسّیہ، پہلی قسم کے بارے میں علمائے عقیدہ یعنی متکلمین گفتگو کرتے ہیں، جبکہ دوسری سے فقہاء بحث کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے طہارت معنویہ کی بھی دو قسمیں ہیں: طہارت معنویہ کبریٰ اور صغریٰ، طہارت معنویہ کبریٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو شرک اور اس کی غلاظتوں سے مکمل پاک کرلے اور توحید خالص کے عقیدہ کو اپنے دل و دماغ میں بسالے اور مکمل طور سے اللہ تعالی کی بندگی اختیار کر لے۔ طہارت معنویہ صغریٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو اخلاقی برائیوں کینہ، حسد، ریا، تکبر اور حب جاہ و مال وغیرہ سے پاک کرے اور اپنے دل کو اخلاقی محاسن وفضائل سے مزین کرے۔ اسی طرح طہارت حسّیہ یعنی ظاہری طہارت کی بھی دو قسمیں: ایک یہ کہ حدَث کو زائل کر کے پاکی حاصل کرنا، اس قسم کے ذیل میں فقہاء حضرات پانی کے پاکی وناپاکی، وضو، غسل، تیمّم اور موزوں پر مسح وغیرہ کے مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ دوسری قسم یہ کہ خبث کو زائل کر کے طہارت حاصل کرنا، اس قسم کے ذیل میں فقہائے کرام اشیائے نجسہ کے طہارت سے متعلق ضوابط اور نجاست کی اقسام کو بیان کرتے ہیں۔

نصف ایمان: اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ عمل اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے، چناں چہ صحیح مسلم میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الطهور شطر الإيمان''. (۷) یعنی پاکی نصف ایمان ہے۔ شطر ایمان یعنی طہارت کا نصفِ ایمان ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں شرّاح حدیث فرماتے ہیں کہ ایمان مکفّر سیئات ہے، ایمان سے صغائر و کبائر دونوں طرح کے گناہ معاف ہوتے ہیں، طہارت بھی مکفّر سیئات ہے، لیکن اس سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں، اس نسبت سے طہارت کو شطر ایمان قرار دیا گیا ہے۔ علامہ تورپشتی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان سے ظاہر و باطن یعنی حدث اصغر و اکبر اور شرک وغیرہ دونوں سے طہارت حاصل ہوجاتی ہے، جبکہ حدیث میں وارد لفظ ''الطہور'' سے صرف طہارتِ بدن من الانجاس والاحداث مراد ہے اس لیے اس کو شطر ایمان کہا گیا ہے۔ (۸)

اجزائے ایمان: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان تخلیہ اور تحلیہ دو اجزاء سے

مرکب ہے، تخلیہ کے چار مراتب ہیں، پہلا مرتبہ: ظاہری بدن کو ہر طرح کی ناپاکی، حدث وخبث اور فضلات سے پاک کرنا۔ دوسرا مرتبہ: اپنے اعضاء وجوارح کو جرائم وگناہوں سے پاک رکھنا۔ تیسرا مرتبہ: دل کو اخلاق ذمیمہ ورذیلہ سے پاک رکھنا۔ چوتھا مرتبہ: دل کو ماسوی اللہ سے خالی اور پاک رکھنا۔ اس تفصیل کے مطابق حدیث میں شطر الایمان سے مراد ''تخلیہ'' ہے اور وہ اس اعتبار سے نصف ایمان ہے۔(۹) غرض جو بھی مراد لیا جائے، خواہ شطر کو جز کے معنی میں لیا جائے یا نصف کے معنی میں بہر حال طہارت کو ایمان کے ساتھ لزوم کا تعلق ہے، ایمان ہر حال میں طہارت کا تقاضہ کرتا ہے۔

طہارت باطن: علمائے کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ طہارت تمام مراتب طہارت میں نصفِ عمل کا مقام رکھتی ہے، کیوں کہ اعمال باطن سے مقصودؔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا منکشف ہونا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا ہے جب تک باطن سے ماسوی اللہ نکل نہ جائے، طہارت قلب یعنی اخلاق حمیدہ کا حصول اس وقت تک نہیں ہوسکتا ہے جب تک دل کو اخلاق ذمیمہ اور قابل نفرت رَذائل سے پاک نہ کیا جائے، اسی طرح جوارح کو اس وقت تک طاعت سے مزین نہیں کیا جاسکتا جب تک گناہوں سے نہ بچا جائے، یہی حال ظاہر کا ہے کہ ظاہری طہارت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ احداث سے پاکی حاصل نہ کی جائے، یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ تمام مراتب طہارت میں اصل باطن کی طہارت ہے لیکن اس کا حصول بھی ظاہری طہارت پر موقوف ہے۔(۱۰)

اہتمام طہارت: اسلام میں ظاہری طہارت کا بھی نہایت ہی اہتمام کیا گیا ہے، بیداری سے لے کر سونے تک، بیت الخلا سے مسجد وبیت اللہ تک، دن بھر میں پانچ مرتبہ وضو، نیز غسل وتیمّم وغیرہ کے ذریعہ ظاہری وباطنی دونوں طرح کی طہارت کا اہتمام کی گیا ہے، قضائے حاجت انسان کی فطری ضرورت ہے، اس ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے اس کی رہنمائی بھی موجود ہے، سنن ابی داؤد میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: "أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا ذهب المذهب أبعد". (۱۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "إذا أراد البراز انطلق حتى لا يراه أحد". (۱۲) خلاصہ دونوں روایتوں کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اتنے دور جاتے کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے۔ پیشاب کرتے وقت نرم اور نشیبی جگہ دیکھ کر وہاں کرنے کا حکم ہے تاکہ پیشاب کی چھینٹیں اڑ کر کپڑوں اور بدن پر نہ پڑھیں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" إذا أراد أحدكم البول فليرتد لبوله موضعا ". (۱۳) یعنی جب تم میں کوئی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ پیشاب کے لیے (نرم اور نشیبی) جگہ تلاش کرے۔ قضائے حاجت کے لیے جانے سے قبل دعا تعلیم دی گئی ہے تاکہ

شیاطین و جنات کے شرور سے حفاظت میں رہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو یہ دعا پڑھے: "اللهم إني أعوذبك من الخبث والخبائث". (۱۴) اے اللہ! میں ہر طرح کے شیاطین (مذکر و مؤنث کے شر) سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" ستر ما بين الجن و عورات بني آدم إذا دخل الخلا أن يقول: بسم الله". (۱۵) یعنی جب تم میں سے کوئی بیت الخلا میں داخل ہونے اک ارادہ کرے تو بسم اللہ پڑھے، یہ بنو آدم کی شرمگاہ اور جنات کے درمیان پردہ اور حائل ہو جائے گا۔علمائے کرام نے ان دونوں روایات کو جمع کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ قضائے حاجت کے لیے جانے والا ان دونوں دعاؤں کو ملا کر یوں پڑھے:" بسم الله، اللهم إني أعوذبك من الخبث والخبائث". (۱۶)

بیت الخلا جانے سے قبل دعا تعلیم دینے کی حکمت یہ ہے وہ نجاست اور گندگی کی جگہ ہوتی ہے، پھر جا کر ذکر اللہ میں انقطاع آ جاتا ہے، کشف عورت کی نوبت آ جاتی ہے اور بول و براز وغیرہ نجاستوں کا خروج ہوتا ہے تو ایسے میں شیاطین اور جنات جنہوں نے اپنا مسکن ان جگہوں کو بنایا ہوتا ہے وہ وہاں جانے والے انسان کو نقصان پہچانے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا ان کے شر سے حفاظت کے لیے دعا بتلائی گئی ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان جب نیند سے بیدار ہوتا ہے اور اپنی طبعی ضرورت کے تحت اس کو پانی استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں نہ ڈالے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" إذا استيقظ أحدكم من نومه فليغسل يده قبل أن يدخل في وضوئه؛ فإن أحدكم لا يدري أين باتت يده ". (۱۷) یعنی جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وضو کے اپنی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اپنا ہاتھ دھو لے؛ اس لیے کہ اسے معلوم نہیں کہ نیند کی حالت میں اس کے ہاتھ نے کہاں رات گذاری ہے۔شراح حدیث نے لکھا ہے کہ نیند کی حالت میں یہ ممکن ہے کہ آدمی کا ہاتھ اس کی شرمگاہ سے مس ہوا ہو اور اس پر نجاست کے اجزا لگ گئے ہوں، یا رات نیند کی حالت میں احتلام ہو گیا ہو جائے اور ہاتھ پر ناپا کی لگ گئی ہو، یا وظیفہ زوجیت کی ادائیگی کے وقت کچھ نجاست لگ گئی ہو، یا جسم کے کسی حصہ میں زخم ہو اور اس سے خون رس رہا ہو، یا کوئی دانہ وغیرہ نکل ہوا اور اس سے پیپ یا نجس مادہ نکل رہا ہو اور وہ ہاتھ پر لگ گیا ہو، غرض اگر نجاست یقینی طور سے لگ گئی ہو تو پھر ہاتھ کا پانی کے برتن میں داخل کرنے سے قبل دھونا واجب ہے اور اگر نجاست کا لگنا یقینی نہ ہو صرف شک ہو تو پھر ہاتھوں کا برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا مسنون ہے، اور اگر یہ یقین ہے کہ کوئی نجاست نہیں لگی تو پھر دھونا مستحب ہے۔ (۱۸)

مشرکین مکہ اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے اور طعنہ دیا کرتے تھے کہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کو قضائے حاجت کے متعلق باتوں کی بھی تعلیم دیتے ہیں، چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی طعنہ کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! (یہ شرم کی نہیں، بلکہ یہ ضرورت کی چیز ہے)، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی بتلایا ہے کہ ہم قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ نہ ہوا کریں اور ہمیں دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع کیا ہے اور اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ ہم ہڈی یا گوبر سے استنجا کریں اور ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم تین پتھروں سے استنجا کریں۔(۱۹)

اِن اُمور کو ذکر کرنے کا مقصد صرف اسلام کے نظام طہارت و نظافت کی ایک جھلک دکھانا ہے، ورنہ اسلام نے تو اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق مکمل رہنمائی فراہم کی ہے، اور اسلام سارا کہ سارا پاکیزگی اور طہارت ہی سے مرکب ہے،(۲۰) ضرورت اس امر کی ہے کہ ثقہ علما سے اسلامی تعلیمات سیکھ کر ان پر عمل کیا جائے تاکہ دنیا میں پاکیزگی و کامیابی کے ساتھ آخرت کی ہمیشہ کی کامرانی مقدر بن جائے۔

حواشی: (۱)البقرہ: ۲۲۲ ...... (۲) التوبة: ۱۰۸ ......(۳) باب العشرون من شعب الإيمان [وهو باب] الطهارات، فصل الوضوء: ۱۸/۳، ۱۹ ...... (۴) *القاموس الوحید کامل*، ص: ۱۰۱۷، ادارہ اسلامیات کراچی۔ *وعمدۃ الفقہ*، مولانا سید زوار حسین شاہ: ۹۹/۱، زوار اکیڈمی کراچی۔ ......(۵) الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي: ۲۰۱/۱، دار الفكر بيروت. ...... (۶) الاحزاب: ۳۳. دیکھیے: نفحات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح: ۲/۲ ...... (۷) رواه مسلم في صحيحه في الطهارة، باب فضل الوضوء، برقم: ۲۲۳ ...... (۸) نفحات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح: ۳/۲...... (۹) إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الطهارة، ص: ۱۶۰ ......(۱۰) إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الطهارة، ص: ۱۶۰، ۱۶۱. ومفتاح السعادة ومصباح السيادة في موضوعات العلوم: ۲۵/۳، ۲۶ ...... (۱۱) رواه أبو داود في سننه في الطهارة ، باب التخلي عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ۱ ...... (۱۲) رواه أبو داود في سننه في الطهارة ، باب التخلي عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ۲...... ۱۳) رواه أبو داود في سننه في الطهارة ، باب الرجل يتبوأ لبوله، رقم الحديث: ۳...... (۱۴) رواه البخاري في صحيحه في الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، رقم الحديث: ۱۴۲ . ومسلم في صحيحه في الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، رقم الحديث: ۳۷۵. ......(۱۵) رواه ابن ماجه في سننه في الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا دخل بيت الخلاء، رقم الحديث: ۲۹۷. ......(۱۶) المجموع شرح المهذب، باب الاستطابة: ۷۴/۲......(۱۷) رواه البخاري في صحيحه في الوضوء، باب الاستجمار وترا، رقم الحديث: ۱۶۲ . ومسلم في صحيحه في الطهارة، باب كراهة غمس المتوضى وغيره يده المشكوك في نجاستها في الإناء قبل غسلها ثلاثا، رقم الحديث: ۲۷۸. ......(۱۸) فيض القدير للمناوي: ۳۵۸/۱. ......(۱۹) رواه مسلم في صحيحه في الطهارة، باب الاستطابة: ۲۶۲ ......(۲۰) بهجة قلوب الابرار للسعدي: ۱۴/۱ .

مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہم قسط:۵

معتمد اور غیر معتمد تفاسیر کا جائزہ

باطل پرستوں کی تفاسیر کا جائزہ:

میں خود حیران ہوں کہ جو لوگ نہ مدارس کے علماء ہیں، نہ انہوں نے مدارس اسلامیہ میں پڑھا ہے، نہ ان کے سامنے طلباء کا مجمع ہے، نہ دینی مدارس میں ان کی کوئی شہرت ہے، نہ ان کو حدیث وفقہ کی کسی کتاب کی تشریح وتوضیح کی خدمت کی توفیق ہوئی، نہ ان کو تفسیر قرآن لکھنے کی کوئی ایسی مجبوری ہے جس کے بغیر ان کی زندگی گزر نہیں سکتی ہے، نہ ان کو قرآن عظیم کے درسوں سے کوئی ایسی الفت ومحبت اور شغف ہے کہ وہ دن رات اسی شوق میں پڑے ہوئے ہیں، نہ وہ لوگ امت کے لیے تقویٰ کا نمونہ ہیں، نہ ان لوگوں نے عوامی حلقوں میں قرآن عظیم کے درسوں کا اہتمام کیا، نہ تعلیمی حلقوں کے طلباء اور علماء کو ان کی تفاسیر کی طرف کوئی مجبوری ہے، (اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ ان لوگوں کو علم تفسیر اور اصول تفسیر میں مہارت ہے اور نہ تفسیر قرآن کے چودہ سو سالہ ناقلین پر اعتماد ہے، چاہے وہ صحابہ ہوں، تابعین ہوں، یا بعد کے مفسرین۔) پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ایک دم قرآن عظیم کی تفسیر کے میدان میں کُود پڑے ہیں؟ اور دھڑا دھڑ انہوں نے قرآن عظیم کی تفاسیر لکھ کر ڈھیر لگا دیئے ہیں،

مثلاً غلام احمد قادیانی صاحب جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ان کو کیا ضرورت تھی کہ انہوں نے ایک ضخیم تفسیر لکھدی؟...... جناب چوہدری غلام احمد خان پرویز کو کس احساس نے مجبور کیا کہ انہوں نے 'معارف القرآن' اور پھر 'مطالب الفرقان' دو تفسیریں لکھ ڈالیں؟......عنایت اللہ مشرقی صاحب کو کیوں شوق پیدا ہوا کہ انہوں نے ''تذکرہ'' کے نام سے ایک ضخیم تفسیر لکھدی؟...... جناب وحید الدین خان کو کس شوق نے بے چین کیا کہ انہوں نے 'تذکیر القرآن' کے نام سے تفسیر لکھدی۔...... جناب عبداللہ چکڑالوی کی کیا مجبوری تھی کہ نہوں نے قرآن کی تفسیر لکھدی؟......سرسید احمد خان کو کس چیز نے مجبور کیا کہ 'تفسیر القرآن' کے نام سے ایک لمبی چوڑی تفسیر لکھ ڈالی؟...... حکیم محمد حسن امروہی قادیانی مرزائی نے آخر کس جذبہ کے تحت ''غایۃ البیان'' کے نام سے تفسیر لکھی؟...... پھر محمد علی قادیانی کو کس چیز نے مجبور کیا کہ تفسیر لکھیں؟......مرزا بشیر الدین محمود قادیانی نے تفسیر کبیر کے نام سے کیوں تفسیر لکھی؟......مرزا طاہر احمد قادیانی نے کس غرض سے تفسیر لکھی؟ ......نور الدین قادیانی نے کیوں تفسیر لکھی؟......سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور امین احسن اصلاحی صاحب

کوتفسیر لکھنے کا شوق کیوں پیدا ہوا کہ اول الذکر نے 'تفہیم القرآن' اور ثانی الذکر نے 'تدبر قرآن' کے نام سے تفسیر لکھدی؟......مولانا حمید الدین فراہی نے آخر تمام مفسرین کے طرز و طریق کو چھوڑ کر الگ طرز پر 'نظام القرآن' کیوں لکھی جو چند سورتوں پر مشتمل ہے؟ اسی طرح امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن سے نقل کرکے ناکام ناقل جناب جاوید احمد غامدی صاحب کو کس چیز نے مجبور کیا کہ 'البیان' کے نام سے تفسیر لکھدی؟

ان تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ اہل باطل تھے اور ان کے نظریات شریعت مطہرہ سے متصادم تھے، ان غلط نظریات کے پھیلانے کے لیے ان لوگوں نے قرآن عظیم کو ڈھال بنایا کہ لوگ ان کے نظریات اس لیے قبول کریں گے کہ یہ تو اتنے بڑے لوگ ہیں کہ انہوں نے قرآن کی تفسیریں لکھدی ہیں اور یہ مفسرین ہیں، پھر یہ لوگ نہایت چالاکی سے اپنے غلط نظریات کو اپنی غلط تفاسیر میں لکھنے لگے اور لوگ اس کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ گئے کہ دیکھو جی قرآن کی تفسیر میں یہ لکھا ہے، اس طرح لوگ گمراہ ہونے لگے۔ مجھے کسی سے کوئی تعصب یا عداوت نہیں ہے، اگر یہ لوگ واقعی قرآن عظیم کے مفسر تھے اور امت کے خیر خواہ تھے تو انہوں نے صحابہ کرام، سلف صالحین اور تمام مفسرین کا صحیح راستہ کیوں اختیار نہیں کیا؟ خود ساختہ نیا راستہ اختیار کرکے انہوں نے صریح غلطی اور کھلی گمراہی کی باتیں اپنی تفسیروں میں کیوں لکھدیں؟

اپنی مصروفیات و عوارض کی بنا پر میرے لیے یہ مشکل ہے کہ ان تمام حضرات کی تمام غلطیاں اپنی اِس مختصر کتاب میں درج کروں۔ اِس لیے میں صرف جاوید احمد غامدی صاحب کی تفسیر ''البیان'' کی موٹی موٹی غلطیاں مسلمانوں کے سامنے لانا چاہتا ہوں جس کے ضمن میں امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کی غلطیوں کا بھی کچھ تذکرہ ہوگا اسی طرح ان کے استاذ حمید الدین فراہی صاحب کے غلط رخ پر چلنے کا کبھی کبھار ذکر آئے گا۔ تاہم اہل باطل کی مذکورہ بالا چند متداول تفاسیر سے میں چند عبارات نقل کروں گا تاکہ علماء اور عوام کے لیے بطور نمونہ کوئی چیز سامنے آجائے اور یہ مصرع صادق آجائے کہ:

ع قیاس کن زِگلستان من بہار مرا

آخر میں، میں علماء کرام سے اپیل کروں گا کہ جو لوگ دانشور بن کر اسلام اور اہل حق مفسرین پر صدیوں سے اعتراض کرتے چلے آئے ہیں اور علماء صدیوں سے دفاع کرکے ان کو جوابات دے رہے ہیں (اور محض دفاعی پوزیشن اختیات کیے ہوئے ہیں اُنھیں) اب یہ طریقہ چھوڑ دینا چاہیے (اور صرف دفاع پر انحصار کرنے کے بجائے) اب باطل پرستوں کے علمی محاسبہ کا اقدام بھی کرنا چاہیے اور ان کی فکری، علمی اور عملی غلطیوں کی نشادہی کرکے ان کو بھی دعوت غور و فکر دینی چاہیے اور عوام الناس کو ان کے مکر و فریب اور گمراہی و ضلالت سے کھلے لفظوں میں آگاہ کرنا چاہیے۔

صدیوں سے اہل باطل کے اعتراضات کے جوابات علماء کرام نے دفاعی انداز سے دیئے ہیں اب ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے غلط تفاسیر کی غلطیوں کی نشاندھی کی ضرورت ہے۔

باطل پرست مفسرین کا اقرار:

اہل باطل کے 'خواہش پرست' مفسرین کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ وہ سلف صالحین کے عام مفسرین کے راستے پر نہیں چلیں گے۔اُن کا کھلے الفاظ میں یہ اقرار ہے کہ وہ مروجہ تفاسیر کا روایتی راستہ اپنی تفاسیر میں اختیار نہیں کریں گے بلکہ وہ ایک ایسا نیا راستہ اختیار کریں گے جس کو معاشرہ کے نوجوان اور عوام الناس پسند کریں گے، کیونکہ تفاسیر میں پرانا روایتی اور تقلیدی راستہ اب مقبول نہیں رہا ہے، کیونکہ وہ اب فرسودہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس جدید طرز کے بانی اور موجد سر سید احمد خان صاحب گزرے ہوئے اہل حق مفسرین کے بارے میں اسی طرح یاوہ گوئی کرتے ہیں۔افکار سر سید نام کی کتاب ص: ۳۸، ۳۹ میں مولانا ضیاء الدین لاہوری نے سر سید کی عبارات کو اس طرح نقل کیا ہے۔

سر سید احمد خان کا اقرار:

(۱)......صرف کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ایسا تھا جو تمام آفات سے محفوظ تھا مگر مفسرین نے اس پر بھی رحم نہیں کیا اور اپنی تفسیروں میں ضعیف و موضوع روایتیں لکھنی شروع کیں اور بے اصل قصے، جو اکثر بلکہ کلیتاً یہودیوں کے ہاں سے اخذ کیے تھے، ان میں شامل کیے اور رفتہ رفتہ وہ تفسیریں نہایت اعتبار اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگیں۔ پھر اس پر قیاسات اور اجتہادات نے بہت کچھ اضافہ کیا اور مذہب اسلام ایک مجموعہ صحیح و غلط مسائل کا اور واقعی و غیر واقعی واقعات کا بن گیا۔

(۲)......تمام مفسرین کی، سوائے معتزلہ کے، یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں میں محض بے سند اور افواہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھتے چلے جاتے ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ سیدھی سادھی بات کو بھی عجوبہ بات بنا کر بیان کرتے ہیں اور سنی سنائی باتیں نا تحقیق اور قصے اور کہانیاں اس میں شامل کر دیتے ہیں۔ضعیف اور موضوع بے اصل روایتوں کو اپنی تفسیروں کا زیور سمجھتے ہیں اور کیسی ہی ضعیف و بے اصل روایت ان کے کان تک پہنچے، قرآن مجید کے اصل مطلب پر غور کیے بغیر قرآن کی آیتوں کو توڑ مروڑ کر ان بے اصل روایتوں کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔

کسی کے ہاں کا قصہ ہو، جب وہ اپنی تفسیروں میں اس کو داخل کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ایک مصنوعی روایت داخل کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ مسلمانی روایت ہے۔ اپنی تصنیفات کا حکم بڑھانے کی نیت سے، نیز اپنی کامل آگہی کی غرض سے ہمارے مفسرین اور اہل سیر نے تمام مہمل اور بے ہودہ افسانوں کو جو عوام الناس میں مشہور تھے، بکمال آرزو جمع کر کے اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے۔

(۳) اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے مفسرین نے بہت سی لغو باتیں اور جھوٹی روایتیں اور یہودیوں اور مجوسیوں کی حکایتیں اپنی تفسیروں میں بھردی ہیں۔ بعض نے اپنی تفسیروں میں واعظین کے لیے دلچسپ اور عجیب وغریب اور حمقاء کے خوش کرنے کے لیے دوراز عقل وقیاس مضامین، جو یہودیوں کے ہاں مروج تھے، جمع کردیئے ہیں۔

(۴)......تفسیروں اور سیر کی کتابوں میں خواہ وہ تفسیر ابن جریر ہو یا تفسیر کبیر وغیرہ اور خواہ وہ سیرۃ ابن اسحاق ہو خواہ سیرت ابن ہشام اور خواہ وہ روضۃ الاحباب ہو یا مدارج النبوۃ وغیرہ ان میں تو اکثر ایسی لغوی اور نامعتبر روایتیں اور قصے مندرج ہیں جن کا نہ بیان کرنا ان کے بیان کرنے سے بہتر ہے۔ حضرت امام محی الدین ابن عربی.....کی تفسیر ایسی رکیک تاویلوں سے بھری ہے جس کے لیے کوئی قانون ہی نہیں۔

غرض کہ ایسی تفسیریں اور علی الخصوص وہ جو واعظین کے فائدہ کے لیے لکھی گئی ہیں اور جن میں خیالی اور بے ہودہ قصے انبیاء علیہم السلام کے بھرے ہوئے ہیں اور ملائک اور بہشت اور دوزخ اور ان کے اوصاف وخواص کے بیان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کتب سیر سے خلاف قیاس بیانات کو پیش کرتے ہیں سراسر غیر معتبر روایات سے مملو ہیں۔

''ابن اسحاق'' ابن ہشام، طبقات کبیر المشہور بہ واقدی، سیرت ہشامی، ابوفدا، مسعودی، مواہب لدنیہ۔ ان کے سوا عربی اور فارسی زبان میں اور بھی کتابیں ہیں جو ان ہی سے بنائی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور باقی بہت پچھلی۔ یہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح وموضوع حدیثوں کا مخلط مجموعہ ہے جس میں صحیح اور غلط، مشتبہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کا کچھ امتیاز نہیں اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں ان میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے۔

میرے نزدیک سیرت ہشامی اور ابن اسحاق وغیرہ سب واہیات اور الف لیلہ اور مہا بھارت کے برابر ہیں۔ بلاشبہ میں ان کتابوں کو نہایت غیر معتبر جانتا ہوں۔ ہزاروں روایتیں غلط اور بے سند ان میں مندرج ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی تمام تصانیف ان ہی نامعتمد کتابوں پر مبنی ہیں۔ واقدی، ہشامی، مولودنامہ، معراج نامہ.....میں بجز بے ہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں ہے۔

واقدی کچھ بڑا معتبر شخص نہیں ہے۔ وہ تو حاطب اللیل یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں چلنے والا ہے۔ اس کی غلط روایتوں اور جھوٹے قصہ اور کہانیوں اور بے سند باتوں سے تمام علماء نے اس کو نامعتبر ٹھہرایا ہے۔ محمد بن عبدالباقی الزرقانی.....کی کتابیں موجود ہیں جو کچھ بھی قدر وقیمت کے لائق نہیں، بجز اس کے کہ جو افواہاً اس نے سنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوے کی اس کے کان میں آئی وہ اس نے لکھ دی، کوئی طریقہ وتحقیق کا اور کوئی راستہ تنقیح کا اس نے اختیار نہیں کیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 19 پر)

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب مفتی رب نواز حفظہ اللہ

امکانِ کذبِ باری تعالیٰ اور آلِ غیر مقلدیت

قسط: ۳

زبیر علی زئی:

اہلِ حدیث[۴۱۷] اور آلِ دیوبند[۴۱۸] کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں:

۱: قرآن مجید[۴۱۹]

۲: احادیث (صحیحہ مرفوعہ)

۳: اجماعِ اُمت اجماعِ مجتہدین[۴۲۰]

۴: اجتہاد[۴۲۱]

الجواب:

۴۱۷

غنیمت ہے کہ علی زئی صاحب ادلہ اربعہ کو حجت مان رہے ہیں ورنہ عام آلِ غیر مقلدیت کا نعرہ ہے کہ صرف قرآن وحدیث ہی حجت ہے تیسری کوئی چیز نہیں۔

سعید احمد یوسف زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دینی امور معاملات ومسائل میں رہنمائی صرف کتاب وسنت ہی سے حاصل کرنی چاہیے لیکن اگر انہیں چھوڑ کر یا ان کے ساتھ دوسری تیسری اور چوتھی شے کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس میں سوائے گمراہی کے کچھ نہیں مل سکے گا'' [صحیفہ اہلِ حدیث یکم ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ]

ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بہت سے اہلِ حدیث ایسے ہیں جو اجماع کے قائل نہیں بلکہ بعض قیاس کے بھی نہیں جیسے...امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان۔'' [اخبار اہل حدیث امرتسر، ۱۱ر جون ۱۹۱۵ء]

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''فی نفسہ اجماع کے ممکن ہونے میں، اس کے علم کے ممکن ہونے میں اور ہماری طرف اس کے منتقل ہونے میں اختلاف ہے، حق بات یہ ہے کہ یہ کچھ ممکن نہیں اور ان سب کو مان لینے کی صورت میں پھر

بھی ان سب میں اختلاف ہے کہ اجماع شرعی حجت بھی ہے یا نہیں، جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس پر اکثر کی دلیل فقط نقل ہے نہ کہ عقل، حق یہ ہے کہ اجماع حجت نہیں اور اگر ہم مان بھی لیں کہ اجماع حجت ہے اور اس کا علم ممکن ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جس چیز پر اجماع ہوا ہے وہ حق ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا اتباع بھی واجب ہو۔'' [افادۃ الشیوخ:۱۲۱]

نواب صاحب کے بیٹے نور الحسن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

ترجمہ ''اور جب اجماع کی کوئی حیثیت نہیں تو قیاسِ مصطلح جسے (فقہاء نے) چوتھی دلیل قرار دیا ہے خود ہی اس کی ضرورت پوری ہوگئی اور وہ کچھ نہ رہا سوائے اس کے دین اسلام اور خیر الانام کی ملت حقہ کی دو دلیلیں دو چیزوں میں منحصر ہیں کتاب اللہ، سنتِ مطہرہ اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ کوئی چیز بھی حجت نیّرہ اور برہانِ قاطع نہیں ہے۔'' [عرف الجادی:۳......بحوالہ غیر مقلدین امام بخاری کی عدالت میں:۱۸۲]

امامِ آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب اعتراف کرتے ہیں:

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پروا نہیں کرتے۔'' [لغات الحدیث:۲/۹۱،ش]

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

''صحابہ کرام شرع کی دلیل دو ہی باتوں کو سمجھتے تھے (۱) قرآن (۲) حدیث۔ اور اجماع و قیاس ان کے نزدیک کوئی شرعی دلیل نہ تھا کیونکہ قیاس ہر ایک کا متفاوت و مختلف ہوتا ہے اور اجماع کی معرفت دشوار ہے تیسیر الباری ۱۲ منہ'' [نصرۃ الباری کتاب البیوع:۱۵۰ صحیفہ اہلِ حدیث ۸۴ھ ۱۶ جمادی الثانی و یکم رجب]

ابو الاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''لیکن اتباع تابعین کے زمانے میں کتب احادیث کے بعد اصولِ فقہ اور کتبِ فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو ہر مصنف نے حسبِ فہم اصول مرتب کیا اور اصل اصول دین اسلام میں کتاب و سنت کے ساتھ اضافہ شروع ہوگیا۔ یعنی اب اصول دین دو کی بجائے کسی نے تین اور کسی نے چار اور کسی نے پانچ قرار دیئے۔'' [مقالاتِ شاغف:۲۰۶]

شاغف صاحب نے کتاب و سنت کے علاوہ تیسرے اور چوتھے اصول کو کتاب و سنت پر اضافہ قرار دیا ہے۔

شاغف صاحب ہی لکھتے ہیں:

''اہلِ سنت و جماعت کے اصول کے مطابق اصول شریعت یا ادلہ احکام شریعت صرف دو ہیں یعنی کتاب وسنت لیکن سنت و جماعت کے ساتھ نسبت جوڑنے والے اکثر فرقوں نے اصولِ شریعت کے ضمن میں کتاب وسنت کے ساتھ اجماع کو بھی شامل کیا ہے۔'' [مقالاتِ شاغف: ۲۰۷]

شاغف صاحب مزید لکھتے ہیں:

''دراصل ان قیود و شرائط کے ساتھ اجماع کا حصول جوئے شیر لانا ہے۔ اور یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ادلہ شرعیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔'' [مقالاتِ شاغف: ۲۰۸]

آگے لکھتے ہیں:

''میں نے زمانہ طالب علمی سے اصول فقہ پڑھتے وقت سے اس کی حقیقت کو جاننے کی سعی کی کہ جتنے دلائل اس کو ثابت کرنے کے لیے بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی دلیل سے بھی اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔'' [مقالاتِ شاغف: ۲۰۹]

مزید سنئے:

''اساتذہ کرام سے سوال عرض کیے۔ کتبِ اصول کا مطالعہ کیا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا۔ شروحات حدیث پر غور کیا، کتب تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ بڑے بڑے شیوخ جن کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ اصول وفروع میں کمال رکھتے ہیں، ان سے مذاکرہ کیا۔ لیکن کوئی بھی اسے بطورِ دلیل شرعی ثابت نہ کرسکا اور نہ کوئی ایسا مسئلہ بتا سکا جو اجماع سے ان جمیع شرائط وقیود کے ساتھ ثابت ہو۔'' [مقالاتِ شاغف: ۲۰۹]

آگے پڑھئے:

''یادرکھو دلیل شرعی صرف اور صرف کتاب وسنت کا نام ہے۔ کتاب وسنت میں قیامت تک کی ضروریات اور نوازلات اور درپیش مسائل کے لیے دلیل موجود ہیں۔'' [مقالاتِ شاغف: ۲۱۱]

غیر مقلدین کے مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اجماع حجت نہیں اور قیاس کے حجت نہ ہونے کے حوالے آگے حاشیہ: ۳۲۳ میں مذکور ہوں گے، ان شاء اللہ۔

لیکن علی زئی صاحب نے لکھ دیا:

''اہلِ حدیث کے خلاف بعض جھوٹے اور فتنہ پرور لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ اہلِ حدیث کے نزدیک شرعی دلیلیں صرف دو ہیں قرآن وحدیث، تیسری کوئی نہیں۔'' [علمی مقالات: ۳/۱۷]

ہماری اسی کتاب میں غیر مقلدین کے موجود حوالہ جات اس بات پر گواہ ہیں کہ اجماع وقیاس کی

حجیت کے انکار کو غیر مقلدین کی طرف منسوب کرنا پروپیگنڈا نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اگر میرے ان حوالہ جات کو کافی نہ سمجھا گیا تو میں مستقل کتاب ترتیب دوں گا جس میں اپنے مطالعہ کی حد تک غیر مقلدین کی وہ تمام عبارات جمع کروں گا جس میں انہوں نے برملا اجماع یا قیاس کی حجیت کا انکار کیا ہے۔

۱۸

یہاں علی زئی صاحب مان گئے ہیں کہ دیوبندی ادلہ اربعہ: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کو حجت سمجھتے ہیں جب کہ وہ اس سے پہلے لکھ چکے ہیں:

''دیوبندی وبریلوی حضرات کے نزدیک ادلۂ اربعہ حجت نہیں۔'' [علمی مقالات:۱۷/۳]

۱۹

غیر مقلدین قرآن وحدیث اور اجماع کو کس قدر مانتے ہیں اس کی کچھ جھلک خود انہی کی زبانی میں اپنی اسی کتاب میں (حاشیہ...میں) لکھ چکا ہوں۔

آلِ غیر مقلدیت کے متعدد علماء نے اعتراف کیا ہے کہ تقلید کے جواز پر اجماع ہے۔ مثلاً:

میاں نذیر حسین دہلوی صاحب۔ [معیار الحق...]

محمد حسین بٹالوی صاحب۔ [اشاعۃ السنۃ:۳۳۱/۲۲]

میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب۔ [تاریخ اہلِ حدیث:۱۴۷]

مگر موجودہ دَور میں اہل حدیث ہونے کے مدعی عموماً تقلید کے منکر ہیں۔

نعیم الحق ملتانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بھینس کی زکوۃ وقربانی کے جواز پر پوری امت متفق ہے، صرف چودہویں صدی ہجری اور بیسیویں عیسوی میں برصغیر کے کچھ علماء اہلِ حدیث کو، اور ان کی وساطت سے عامۃ الناس کی ایک بھاری تعداد کو...کچھ غلط فہمیاں لگی ہیں۔'' [بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ:۳۱ طبع دوم]

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ بھینس کی قربانی کے جواز پر امت کا اتفاق رہا ہے مگر غیر مقلدین کی ایک بڑی تعداد اس اجماع سے منہ موڑے ہوئے ہے۔

۲۰

اجماع کی حجیت کے منکرین اشکال کرتے ہیں کہ تمام افرادِ امت کے اجماع کا پتہ کیسے چلے گا۔ شاید اُن کے اس اشکال سے بچنے کے لیے علی زئی صاحب نے ''اجماعِ مجتہدین'' مراد لیا ہے لیکن منکرین

نے پھر بھی اعتراض کر دیا۔ چنانچہ ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اب اس تعریف کی رُو سے جو بھی اجماع کا دعویٰ کرے یا کسی مسئلے میں اجماع کا ذکر کرے اس پر لازم وضروری ہے کہ وہ اس کا ثبوت بہم پہنچائے کہ فلاں عصر وزمانے میں اس مسئلہ پر اجماع ہوا اور اس وقت حدودِ اسلامیہ کے اندر اتنے مجتہدین عصر موجود تھے اور سب نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ یا کم از کم یہ کہ ان سب کو اس کی خبر ہو چکی ہے اور سب نے اس پر سکوت فرمایا ہے اور جب تک یہ ثبوت پیش نہ کیا جاسکے اجماع کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ اور بقول امام احمد بن حنبل ''من ادعی الاجماع فقد کذب یعنی جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔'' [مقالاتِ شاغف:۲۰۷]

۴۲۱

کئی غیر مقلدین ''اجتہاد'' کو نہیں مانتے۔ مثلاً ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جب حضرت عثمان عبداللہ بن سعد ابی سرح کو اپنی صواب دید اور اجتہاد سے امیر جہاد مقرر کیا تو ۳۱ھ میں محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے ان کی مخالفت شروع کر دی اور اس کا نتیجہ حضرت عثمان وعلی کی شہادت اور جنگ وجدال اور کئی ہزار صحابہ کی شہادت کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اور یہ ہے نتیجہ نصِ صریح کو چھوڑ کر قیاس واجتہاد پر عمل کرنے کا... پھر امیر معاویہ نے اجتہاد وقیاس کا سہارا لیا اور یزید کی بیعت لی اور صریح کتاب وسنت کو اس باب میں چھوڑ دیا اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ پس اے امتِ مسلمہ کتاب و سنت کے صریح احکام پر عمل کرنے پر اکتفاء کرو۔ اس کے اندر ڈوب کر ست نکالنے کی فکر میں مت پڑو۔ اجتہاد وقیاس کی ضرورت نہیں غلط فہمی میں مت پڑو۔ یہ شیطانی وسوسے ہیں اور ان ہی وساوس پر عمل کرنے کے نتائج ہیں کہ امت مسلمہ متفرق فرقوں میں بٹ کر تباہ وبرباد ہو رہی ہے۔'' [مقالاتِ شاغف:۲۸۲]

(جاری۔۔)

وفیات

حضرت قاری عبیداللہ ساجد رحمہ اللہ [فاروقہ، ساہیوال، ضلع سرگودہا]

قاری عبدالرحمٰن وخلیل الرحمٰن صاحبان کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [ترنڈہ محمد پناہ، رحیم یارخان]

جامعہ مظہریہ حسینیہ کے طالب علم محمد خلیل صاحب کے برادر محترم رحمہ اللہ [ٹمیاری، سندھ]

حضرت قائد اہل سنتؒ کے نواسے چوہدری زاہد الرحمٰن صاحب کے سسر رحمہ اللہ [چنیوٹ]

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

ڈاکٹر ذاکر نائیک کے متعلق دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

فتویٰ نمبر: 122=448/د دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز مفتیانِ کرام، دار العلوم دیوبند زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرا سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کیسے آدمی ہیں؟ کیا ان کے عقائد اہل السنّت والجماعت کے موافق ہیں؟ حدیث اور تفسیر قرآن میں ان کی رائے قابلِ اعتبار ہے یا نہیں؟ نیز فقہ میں ان کا مسلک کیا ہے؟ وہ کس امام کے مقلد ہیں؟ ہم ان کی باتوں کو سن کر ان پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ازراہِ کرم تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی...... ریاض احمد خان...... عالیہ پرنٹرس، اترسوئیا (الٰہ آباد)...... موبائل: 9794867772

☆......☆......☆......☆

''ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کے متعلق اکثر سوالات آتے رہتے ہیں۔ استفتاء ہذا بھی اسی سلسلے کا ایک سوال ہے، اس میں ڈاکٹر صاحب کے عقائد، ان کا فقہی مسلک اور قرآن وحدیث سے متعلق ان کی تشریحات کے بارے میں تفصیلی جواب کی درخواست کی گئی ہے؛ اس لیے ڈاکٹر صاحب کی تقریر وتحریر کی روشنی میں ایک مفصل جواب لکھا جاتا ہے۔''

بسم الله الرحمن الرحيم

حامدا ومصليا ومسلما، الجواب وبالله التوفيق والعصمة

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے بیانات میں صحیح عقیدے سے انحراف، قرآنِ کریم کی تفسیر میں تحریف ومن مانی، سائنسی تحقیقات سے مرعوبیت، اسلام مخالف مغربی افکار سے ہم آہنگی اور فقہی مسائل میں سلفِ صالحین اور جمہور امت کی راہ سے روگردانی جیسی گمراہ کن باتیں پائی جاتی ہیں، نیز وہ امتِ مسلمہ کو ائمہ مجتہدین کی اتباع سے پھیرنے، دینی مدارس سے برگشتہ کرنے اور علمائے حق سے عوام کو بدگمان کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ذیل میں ان کی گمراہ کن باتوں میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......عقیدہ:

عقیدہ (جو ایک انتہائی نازک چیز ہے جس میں تھوڑی سی بھی لغزش بسا اوقات ایمان کے لیے خطرہ بن جاتی ہے) سے متعلق ڈاکٹر صاحب کی چند باتیں:

(الف)...... ''وشنو اور برہما کے ذریعے اللہ کو پکارنا جائز ہے''۔

ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو ہندوؤں کے معبودان کے نام سے پکارنا جائز ہے، جیسے ''وشنو'' بمعنی رب اور ''برہما'' بمعنی ''خالق'' اس شرط کے ساتھ کہ وشنو کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ اس کے چار ہاتھ ہیں اور پرندے پر سوار ہیں''۔[اسلام اور عالمی اخوت: ۳۳، از ذاکر نائیک]

حالاں کہ غیر عربی زبان کے انہی الفاظ سے اللہ کو پکارنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوں، ان کے علاوہ سے جائز نہیں، تو ''وشنو'' اور ''برہما'' جو ہندوؤں کے شعار ہیں، ان سے اللہ کو پکارنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

(ب)...... ''اللہ کا کلام کونسا ہے، اسے جانچنے کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی سے گزارنا ضروری ہے''۔

ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام کے دوران کہتے ہیں:

''ہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کی مقدس کتاب ہی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اگر آپ چاہتے ہیں معلوم کریں کہ کون سی کتاب واقعی اللہ کا کلام ہے تو اسے آخری امتحان یعنی جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے گزاریں، اگر وہ جدید سائنس کے مطابق ہو تو سمجھ لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے''۔[الجواب علی ثلاثین جواباً علی ان ذاکر الهندی و اصحاب فکره منحرفون ضلالا للشیخ یحی الحجوری]

اس کلام سے ڈاکٹر صاحب کی گمراہ کن جرأت، کتاب اللہ کے تئیں ان کی فکری بے راہ روی نیز جدید سائنس سے خطرناک حد تک مرعوبیت کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ہر آن بدلنے والی سائنسی تحقیقات کو آسمانی کتابوں بالخصوص کلام الٰہی قرآنِ کریم کو پرکھنے کا معیار قرار دے دیا، جب کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی سب سے بڑی دلیل، اس کا اعجاز ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن میں چیلنج کیا ہے۔

(ج)...... ''فتویٰ دینے کا حق ہر کس و ناکس کو ہے''۔

ڈاکٹر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں: ''ہر کسی کے لیے فتویٰ دینا جائز ہے؛ اس لیے کہ فتویٰ کا معنی رائے دینا ہے''۔[حوالۂ بالا]

یہاں ڈاکٹر صاحب فتویٰ دینے جیسے اہم کام --- جس میں (علامہ ابنِ قیمؒ کے لفظ کے مطابق) مفتی احکام الٰہی کے بیان میں رب کائنات کا ترجمان اور اس کی نیابت میں دستخط کرنے کا ذمے دار ہوتا ہے ''لم تصلح مرتبة التبليغ بالرواية والفتيا الا لمن اتصف بالعلم والصدق......واذا كان منصب التوقيع عن الملوك بلامحل الذى لاينكر فضله ولا يجهل قدره...... فكيف

بمنصب التوقیع عن رب الارض والسماوات، فحقیق بمن اقیم فی ھذا المنصب ان یعدلہ عدتہ ویتاھب لہ اھبتہ وان یعلم قدر المقام الذی اقیم فیہ''[اعلام الموقعین:۹۱/۱]--- کو، رائے دینے کے ہلکے پھلکے لفظ سے تعبیر کر کے، صرف اپنے لیے ہی نہیں ؛ بلکہ ہر کس وناکس کے لیے اس کا جوز فراہم کر رہے ہیں، اور انہوں قرآنِ کریم کی آیت: ''**فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون**''یعنی اگر تمہیں علم نہیں ہے تو اہلِ علم سے دریافت کرلو، اور حدیث نبوی'' **من افتیٰ بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ.**'' [اخرجہ ابو داؤد فی سننہ: ۳۵۹، رقم: ۳۶۵۹۳، باب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ] (یعنی جو آدمی بلا (صحیح) معلومات کے فتویٰ دیدیتا ہے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا) کو بالکل فراموش کر دیا۔

(۲)......تفسیر قرآن میں من مانی تشریح یعنی تحریف معنوی:

قرآنِ کریم کی تفسیر کا معاملہ بڑا نازک ہے؛ اس لیے کہ مفسر آیتِ کریمہ سے مرادِ خداوندی کی تعیین کرتا ہے کہ اللہ نے یہ معنی مراد لیا ہے؛ لہٰذا نا اہل آدمی کا اس وادی میں قدم رکھنا انتہائی خطرناک ہے، حدیث میں ہے: ''**من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطاء**''[اخرجہ الترمذی: رقم: ۲۷۷۶] یعنی جو آدمی محض اپنی عقل سے تفسیر کرے تو اگر چہ وہ اتفاقاً درست معنی تک پہنچ جائے، پھر بھی اسے غلطی کرنے والا سمجھا جائے گا، ایک دوسری روایت میں ہے: ''**من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار**'' [اخرجہ الترمذی: ۱۹۹/۵، رقم: ۲۹۵۱] اسی لیے مفسر کے لیے بہت سی شرائط ہیں، مثلاً قرآن کی تمام آیتوں پر نظر، ذخیرۂ حدیث سے متعلق وسیع معلومات، عربی زبان اور اس کے قواعد: نحو، صرف اور اشتقاق اور فصاحت وبلاغت کا اچھا علم ہو وغیرہ۔ جہاں تک ڈاکٹر صاحب کا تعلق ہے تو ان کے اندر مذکورہ شرائط میں سے ایک بھی شرط ضروری حد تک نہیں پائی جاتی، نہ وہ عربی زبان اور اس کے قواعد سے کما حقہ واقف ہیں اور نہ ذخیرۂ حدیث پر گہری نظر ہے اور نہ ہی فصاحت وبلاغت سے کوئی زیادہ واقفیت ہے۔ (ذیل کی مثالوں سے یہ باتیں واضح ہوجائیں گی) جب کہ تفسیر میں گمراہی میں پڑنے کے جتنے اسباب ہیں مثلاً حضور ﷺ اور صحابہ وتابعین سے منقول تفسیروں سے روگردانی، زمانے کے افکار سے مرعوبیت اور قرآنِ کریم کے موضوع کو غلط سمجھنا وغیرہ، ڈاکٹر صاحب کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہیں؛ اسی لیے انہوں دسیوں آیتوں کو اپنی ناواقفیت سے مشقِ ستم بنایا، ذیل میں چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

(الف)......آیتِ کریمہ: **الرجال قوامون علیٰ النساء.** کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ''**قوام**'' کا معنی ایک درجہ اوپر ہونے کے ہیں؛ لیکن اصل ''**قوام**'' ''**اقامۃ**'' سے نکلا ہے، ''**اقامۃ**'' کا مطلب کھڑا ہونے کے ہیں؛ لہٰذا ''**اقامۃ**'' کا مطلب ہوا کہ ایک درجہ

ذمے داری میں اونچا ہے، نہ کہ فضیلت میں۔[خطبات ذاکر نائیک: ۲۹۵،م: فرید بکڈ پو دلی]

ڈاکٹر صاحب نے مغربی نظریۂ مساوات کی تائید میں آیت قرآنی کی من مانی تفسیر کرتے ہوئے مردوں کے ایک درجہ فضیلت میں اونچا ہونے کی نفی کردی، جب کہ امت کے بڑے بڑے مفسرین نے فضیلت میں اونچا ہونے کا معنی بیان کیا ہے، چناں چہ ابنِ کثیر نے: **الرجال قوامون علیٰ النسآء.** کے تحت لکھا ہے: **أی الرجل قیم علیٰ المرأۃ ای ھو رئیسھا و کبیرھا والحاکم علیھا، مؤدبھا اذا اعوجت.** (یعنی مرد کی حیثیت اس کی بیوی کے سامنے حاکم اور سردار کی ہے، ضرورت محسوس ہونے پر شوہر بیوی کی مناسب تادیب بھی کرسکتا ہے۔ نیز آیت کریمہ: **وللرجال علیھن درجۃ.** کی تفسیر میں ابنِ کثیر نے لکھا ہے: **وللرجال علیھن درجہ أی فی الفضیلۃ فی الخلق والمنزلۃ وطاعۃ الامر والانفاق والقیام بالمصالح والفضل فی الدنیا والآخرۃ.** [۶۱۰/۱] یعنی شوہر بیوی سے فضیلت، رتبہ، اطاعت وحیرہ میں ایک درجہ اونچا ہے، نیز ڈاکٹر صاحب کی تفسیر حدیث نبوی، **لو کنت آمراً احدا ان یسجد لاحد، لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن**[اخرجہ ابوداؤد] یعنی اگر اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، کے خلاف ہے؛ اس لیے کہ اگر دونوں فضیلت میں برابر ہوتے اور شوہر کو عورت پر کوئی برتری حاصل نہ ہوتی تو حضور ﷺ عورتوں کو اپنے شوہروں کو سجدہ- جو انتہائی تعظیم ہے- کا حکم کیوں دینے والے تھے۔

(ب)......ڈاکٹر صاحب، ایک سوال- ''قرآن کریم میں ہے کہ کسی ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس صرف اللہ کو معلوم ہے؛ مگر اب سائنس کافی ترقی کرچکی ہے اور ہم آسانی سے الٹرا سونو گرافی کے ذریعے ''جنین'' کی تعیین کرسکتے ہیں، کیا یہ قرآنی آیت، میڈیکل سائنس کے خلاف نہیں ہے؟''- کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ......''یہ صحیح ہے کہ قرآن کی اس آیت کے مختلف ترجمے اور تشریحات میں کہا گیا ہے کہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس کیا ہے؟ مگر اس آیت کا عربی متن ملاحظہ کریں تو دیکھیں گے کہ انگلش کا لفظ (Sex) کا کوئی عربی متبادل استعمال نہیں ہوا، اصل میں قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ رحموں میں کیا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہے، کافی مفسرین کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے اس کا یہ معنی مراد لیا ہے کہ اللہ ہی ماں کے رحم میں بچے کی جنس کو جانتا ہے، یہ درست نہیں، یہ آیت جنین کی جنس کی طرف اشارہ نہیں کرتی؛ بلکہ اس کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ماں کے رحم میں موجود بچے کی فطرت کیسی ہوگی؟ وہ کیا اپنی ماں باپ کے لیے باعثِ رحمت ہوگا یا عذاب؟'' الخ

[اسلام پر چالیس اعتراضات: ۱۳۰، از ڈاکٹر ذاکر نائک، م: اریب پبلیکیشنز، دہلی]

ڈاکٹر صاحب نے یہاں سائنسی تحقیق سے مرعوب ہو کر، اس سے پیدا ہونے والے سرسری اعتراض سے بچنے کے لیے، قرآن کی دوسری آیت اور صحابہ وتابعین سے منقول تفسیر کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے، ایک معروف معنی کا انکار کر دیا اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید اور ان کی تغلیط کر ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب نے جو معنی بیان کیا ہے 'ما' موصولہ کے عموم میں آسکتا ہے اور بہت سے مفسرین نے ایک احتمال کے طور پر، پہلے معنی کے ضمن میں اس کا بھی ذکر کیا ہے؛ لیکن دوسرے معنی کا انکار کر دینا قطعاً صحیح نہیں؛ بلکہ ڈاکٹر صاحب کی قلت تدبر اور تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے اقوال سے روگردانی کی واضح دلیل ہے؛ اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب نے جس معنی کی نفی کی ہے، اسی کی طرف سورۂ رعد کی آیت: **اللہ یعلم ماتحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد .** [الرعد:۸] ''یعنی اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے کہ جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے'' اشارہ کر رہی ہے، نیز مشہور تابعی اور تفسیر کے امام قتادہؒ سے بھی یہی معنی مروی ہے، چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: ''**فلا تعلم مافی الارحام اذکر ام انثی.** ''الخ یعنی رحم مادر میں نر ہے یا مادہ اس کا قطعی علم سوائے خدا کے کسی اور کو نہیں، اسی طرح ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر [۳۵۵/۶] میں، علامہ نسفیؒ نے تفسیر مدارک [۱۱۶/۳] میں اور امام شوکانیؒ نے فتح القدیر [۴۹۸/۵] میں مذکورہ آیت کا یہی معنی بیان فرمایا؛ لیکن ڈاکٹر صاحب ان اکابر مفسرین کے بیان کردہ معنی کو غلط ٹھہرا کر، اپنے بیان کردہ معنی کو قطعی سمجھ کر اسی پر مصر ہیں۔

صحیح جواب: آیتِ کریمہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے علمِ غیب کو ثابت کرنا ہے اور علم غیب درحقیقت اس یقینی علم کو کہا جاتا ہے جو کسی سبب ظاہری کے بغیر براہِ راست، کسی آلے کے بغیر حاصل ہو، طبی آلات سے ڈاکٹروں کو حاصل ہونے والا علم نہ یقینی ہوتا ہے اور نہ ہی بلا واسطہ؛ بلکہ وہ محض ظنی ہے اور آلات کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا الٹراسونوگرافی کے ذریعے حاصل ہونے والے اس ظنی علم سے قرآنی آیت پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا۔

(ج)......ڈاکٹر صاحب آیتِ کریمہ: **یاایھا النبی اذاجآئک المؤمنٰت یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئاً .** [**الممتحنہ**:۱۲] کی تفسیر میں کہتے ہیں:

> ''یہاں لفظ ''بیعت'' استعمال ہوا ہے اور بیعت کے لفظ میں ہمارے آج کل کے الیکشن کا مفہوم بھی شامل ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول بھی تھے اور سربراہ مملکت بھی تھے اور بیعت سے مراد انہیں سربراہ حکومت تسلیم کرنا تھا، اسلام نے اسی دور میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق بھی تفویض کر دیا تھا۔''

[اسلام میں خواتین کے حقوق: ۱۵۰ از ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب]

یہاں بھی ڈاکٹر صاحب آیت کی غلط تشریح کرتے ہوئے، اس سے عورت کے ووٹ دینے کا حق ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ عورتوں کا حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر بیعت کرنا، موجودہ دور کے جمہوریت کے طرزِ انتخاب کی ہی قدیم شکل ہے، جب کہ جمہوریت کی حقیقت سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ تشریح بالکل واقع کے خلاف ہے اور تفسیر قرآنی میں اپنی عقل کا بیجا استعمال ہے؛ اس لیے کہ موجودہ جمہوریت کے مطابق سب کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ سربراہ چننے کے لیے اپنی رائے دیں اگر کسی شخص پر کثرت واتفاقِ رائے نہ ہو تو وہ سربراہ نہ بن سکے گا، اگر حضور ﷺ کا بیعت کرنا درحقیقت ووٹ لینا تھا، تو کیا ان صحابیات کو اختیار تھا کہ حضور ﷺ کی سربراہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیں؟

(د)......سورۂ مریم کی آیت: **یا اخت ھارون ما کان ابوک امرا سوءٍ وما کانت امک بغیا.** [مریم:۲۸] پر نا سمجھی سے کیا جانے والا معروف اشکال- حضرت مریم علیہا السلام، حضرت ہارون کی بہن نہیں تھیں اور دونوں کے زمانے میں تقریباً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے- کے جواب میں فرماتے ہیں:

''عیسائی مشنری یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کو یسوع مسیح کی والدہ (Marry) مریم اور ہارون کی بہن مریم میں فرق کا پتہ نہیں تھا، حالاں کہ عربی میں ''**اخت**'' کے معنی اولاد بھی ہیں؛ اس لیے لوگوں نے مریم سے کہا کہ اے ہارون کی اولاد اور اصل اس سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد ہی ہے۔''

[اسلام پر چالیس اعتراضات، از: ڈاکٹر ذاکر نائیک]

ڈاکٹر صاحب کی، احادیث اور لغت سے نادانی اور جہالت پر مبنی اس تحقیق پر تبصرے کے طور پر مسلم شریف کی حدیث ہی کافی ہے، صحیح مسلم میں ہے: **عن المغیرۃ بن شعبۃ قال: لما قدمت نجران سألونی، فقالوا انکم تقرأون یا اخت ھارون و موسی قبل عیسی بکذا وکذا، فلما قدمت علیٰ رسول ﷺ سألتہ عن ذلک فقال: انھم کان یسمون بانبیائھم والصالحین قبلھم.[مسلم:۱۷۱/۶، دار الجیل بیروت، رقم:۵۷۲۱]** یعنی نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کی وضاحت آج سے چودہ سو سال پہلے ہی کر دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم، حضرت موسی کے بھائی حضرت ہارون کی بہن نہ تھیں؛ بلکہ حضرت عیسیٰ کی والدہ کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا، اور یہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ برگزیدہ شخصیات کے ناموں پر اپنا نام رکھا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ نہ یہ کوئی نیا اعتراض ہے اور نہ ہی اپنی جانب سے جواب گھڑنے کی کوئی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تفسیر سے متعلق احادیث سے بے خبری کس قدر ہے کہ ذخیرۂ احادیث وتفسیر سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کے بجائے من گھڑت تاویل کر رہے ہیں۔

(ھ)......ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب آیتِ کریمہ: **والارض بعد ذلک دحاھا.** [النازعات: ۳۰] کے متعلق کہتے ہیں:

''یہاں انڈے کے لئے استعمال کیا جانے والا لفظ ''**دحھا**'' ہے، جس کا مطلب شترمرغ کا انڈا، شترمرغ کا انڈا زمین کی شکل سے مماثلت رکھتا ہے؛ لہٰذا قرآنِ کریم مکمل درستگی سے زمین کی شکل کی وضاحت کرتا ہے، حالاں کہ اس وقت جب قرآن اتارا گیا یہ خیال کیا جاتا تھا کہ زمین چپٹی (Flat) ہے''۔ [خطبات ذاکر نائیک، قرآن اور جدید سائنس: ۷۴-۷۳]

یہاں پر ڈاکٹر صاحب سائنسی نظریہ سے مرعوب ہونے، نیز قرآنِ کریم کے موضوع (جو کہ توحید و رسالت ہے اور باقی طبیعیات وغیرہ کی باتیں ضمناً ہیں) کو نہ سمجھنے کی وجہ سے، زمین کی ہیئت کی تحقیق کرنے میں، آیت کریمہ سے غلط استدلال کرتے ہوئے آیت کی من مانی تشریح کر رہے ہیں؛ اس لیے کہ '**دحو**' کا لفظ و مادہ عربی زبان میں پھیلانے اور پھلاؤ کا مفہوم رکھتا ہے، اسی کے مطابق '**دحھا**' کی تفسیر و ترجمہ زمین کو پھیلانے سے، اور اس میں موجود اشیاء کے پیدا کرنے سے کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر) یہ لفظ و مادہ انڈے کے معنی میں نہیں آتا۔

(۳)......احادیث نبویہ سے ناواقفیت:

ذخیرہ احادیث سے ناواقفیت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے بہت سی جگہوں پر صحیح احادیث کے خلاف مسائل بتلائے، نیز کتنے ہی مقامات پر کسی مسئلے پر متعدد احادیث ہونے کے باوجود یہ کہہ ڈالا کہ اس باب میں کوئی دلیل نہیں، ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی احادیث سے جہالت یا دانستہ چشم پوشی کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف)......عورتوں کے لیے حالتِ حیض میں قرآن پڑھنے کا جواز

ایک پروگرام ''گفتگو'' میں عورت کے خاص ایام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''قرآن وحدیث میں نماز کی رخصت ہے؛ لیکن کسی حدیث میں نہیں کہ وہ قرآن نہیں پڑھ سکتی۔''

حالاں کہ ترمذی شریف میں صریح حدیث ہے: ''**لاتقرأ الحائض ولاالجنب شیأ من القرآن**'' یعنی جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں۔......آپ غور کیجیے کہ ڈاکٹر صاحب نے صحیح وصریح حدیث کے موجود ہونے کے باوجود دعویٰ ہمہ دانی کرتے ہوئے اس کا انکار کر دیا۔

(ب)......خون سے وضو ٹوٹنے پر، احناف کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

''بعض علمائے کرام خصوصاً فقہِ حنفی سے متعلق علمائے کرام کے خیال میں خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، نماز کے دوران خون بہہ جانے کی صورت میں کس کو کیا کرنا چاہیے، اس سوال کے جواب میں ان

کا فتویٰ (احناف کا فتویٰ) بہت طویل ہے تاہم ان کے اس نقطۂ نظر کی تائید میں بہ ظاہر کوئی ثبوت نہیں ہے''۔ [حقیقت ذاکر نائیک: ۲۱۴،م: مکتبہ دیوبند]

یہاں پرڈاکٹر صاحب نے فقہِ حنفی سے متعلق علماء پر الزام لگاڈالا کہ وہ بلا ثبوت وضوٹوٹنے کی بات کہتے ہیں، حالاں کہ خون سے وضوٹوٹنے کے سلسلے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں، نیز صحابۂ کرام کا تعامل بھی اس پر رہا ہے، ذیل میں چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......اخرج البخاری عن عائشة رضی الله عنها قالت: جائت فاطمة بنت ابی حبیش الی النبیﷺ فقالت: یارسول الله انی امرأة استحاض فلا اطهر، افادع الصلاة؟ قال: لا، انما ذلک عرق ولیست بالحیضة، فاذا اقبلت الحیضة فدعی الصلاة واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم قال هشام: قال ابی ثم توضئی لکل صلاة حتی یجئ ذلک الوقت.

(۲)......اذارعف احدکم فی صلاته فلینصرف فلیغسل عنه الدم ثم لیعد وضوءه ویستقبل صلاته [اخرجه الدارقطنی] یعنی دورانِ نماز اگر کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ خون کو دھولے اور وضو دہرائے۔

(۳)......عن زید بن ثابت رضی الله عنه :الوضوء من کل دم سائل. اخرجه ابن عدی فی الکامل. [نصب الرایة للامام زیلعی: ۳۷/۱] یعنی خون بہنے سے وضو لازم ہوجاتا ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت سی روایات کے باوجود، ڈاکٹر صاحب نے، اپنی ناواقفیت کا اظہار نہ کر کے مجتہدانہ دعویٰ کردیا کہ بہ ظاہر خون سے وضوٹوٹنے پر کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(ج)......مرد وعورت کی نماز میں فرق کرنا جائز نہیں۔

ایک دوسری جگہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''کہیں بھی ایک صحیح ومستند حدیث نہیں ملتی جس میں عورت کے لیے مرد سے علیحدہ طریقے کے مطابق نماز ادا کرنے کا حکم ہو، اس کے بجائے صحیح بخاری کی روایت ہے، حضرت ام درداء روایت کرتی ہیں کہ التحیات میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے کا حکم ہے''۔

یہاں ڈاکٹر صاحب نے دو باتیں سراسر غلط کہیں ہیں:

(الف)......نماز میں مرد وعورت کے درمیان فرق کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں۔

(ب)......حضورﷺ نے عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے کا حکم دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلی بات کہہ کر ان تمام احادیث کا انکار کردیا، جن میں مردوں اور عورتوں کی نماز کے درمیان فرق کا بیان موجود ہے۔ ذیل میں چند روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱)......اخرج البخاری عن النبی علیہ السلام انہ قال: یا ایھا الناس! مالکم حین نابکم شیء فی الصلاۃ، اخذتم فی التصفیق، انما التصفیق للنساء. [۱/۱۷۴، رقم الحدیث:۶۸۴]

(۲)......عن وائل بن حجر قال قال لی رسول اللہ ﷺ: یا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأۃ تجعل یدیھا حذاء ثدییھا. [المعجم الکبیر للطبرانی]

(۳)......عن یزید بن ابی حبیب ان رسول اللہ ﷺ مر علی امرأتین تصلیان فقال: اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض؛ فان المرأۃ لیست فی ذلک کالرجل [اخرجہ ابوداؤد مرسلا والبیھقی موصولا]

(۴)......سئل ابن عمر کیف کن النساء یصیلین علی عھد رسول اللہ ﷺ قال کن یتربعن ثم امرن ان یتحفزن [جامع المسانید والسنن]

ان روایات میں مردوں اور عورتوں کی نماز میں مختلف طرح کے فرق کا ذکر ہے۔ان کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں، اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔اور جہاں تک دوسری بات یعنی بخاری شریف میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے سے متعلق حکم نبوی کی بات،تو یہ ایک غلط انتساب ہے، حضرت ام الدرداء کی جس روایت کا ڈاکٹر ذاکر صاحب نے حوالہ دیا ہے،اس کے الفاظ یہ ہیں:''**وکانت ام الدرداء تجلس فی صلاتھا جلسۃ الرجل وکانت فقیھۃ.**'' **[بخاری شریف:۱/۱۱۴]**

اس روایت میں کہیں بھی حضور ﷺ کے قول وفعل کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ ایک صحابیہ کا عمل ہے،جس کا ذکر کر کے امام بخاری نے اشارہ بھی کر دیا کہ وہ خود فقیہہ تھیں وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتی تھیں، نیز امام بخاریؒ نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے،سند ذکر نہیں کی ہے۔

(۴)......ائمہ مجتہدین کے اتباع سے فرار اور مسائلِ فقہیہ میں سوادِ اعظم کی راہ سے نمایاں انحراف

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اپنی تحریرات اور تقریرات کی روشنی میں کسی امام کے متبع معلوم نہیں ہوتے؛ بلکہ اباحیت، جدت پسندی نیز غیر مقلدیت اور لا مذہبیت کے شکار ہیں،صرف یہی نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کسی متعین امام کی تقلید نہیں کرتے؛ بلکہ ائمہ کی تقلید کرنے والے مخلص عوام کو عدم تقلید کی روش اپنانے کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے بیان کردہ مسائل میں کہیں کسی امام کا قول واستنباط کردہ حکم کو اپنی طرف منسوب کر کے نقل کرتے ہیں،اور کہیں خود مجتہدانہ انداز پر مسئلے بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ ان کو مسائل نقل کرنے میں اس متعین امام کا نام لینا چاہیے،جنہوں نے اس مسئلے کا استنباط کیا ہے؛ تا کہ سننے والے کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ قرآن وسنت سے صرف یہی ثابت ہے،اس کے علاوہ جو دوسری باتیں لوگوں کے عمل میں ہیں چاہے وہ

قرآن وحدیث سے ثابت اور ائمہ مجتہدین کا قول کیوں نہ ہو- غلط ہیں- ذیل کی مثالوں سے مذکورہ باتوں کا بہ خوبی اندازہ ہوجائے گا، ملاحظہ فرمائیں:

(الف)......بلاوضو قرآن چھونا جائز ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں:

''بلاوضو قرآنِ کریم چھونے کی اجازت ہونی چاہیے۔'' الخ

حالاں کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ قول آیتِ کریمہ: **لایمسه الاالمطهرون.** نیز تمام ائمہ مجتہدین کے خلاف ہے۔

(ب)......خطبۂ جمعہ عربی زبان کے بجائے مقامی زبان میں ہونا چاہیے۔

ایک موقعہ پر خطبۂ جمعہ سے متعلق ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں جمعہ کا خطبہ مقامی علاقائی اور مادری زبانوں میں دیے جانے کا اہتمام کیا جائے تاکہ......''

حالاں کہ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک خطبۂ جمعہ عربی میں دینے پر توارث چلا آرہا ہے، آج ڈاکٹر صاحب یہ دعوت دے رہے ہیں کہ خطبہ مقامی زبان میں ہونا چاہیے؛ تاکہ لوگ سمجھ سکیں، جب کہ یہ مصلحت (غیر عربی جاننے والوں کا سمجھنا) حضور ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھی؛ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے خطبے میں عرب کے علاوہ عجم کے لوگ بھی شریک ہوتے؛ لیکن حضور ﷺ نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا، کسی دوسری زبان میں خطبہ نہیں دلوایا، اور نہ ہی بعد میں اس کا ترجمہ کروایا، اسی طرح صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان کے متبعین عرب سے نکل کر عجم میں گئے، مشرق ومغرب میں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم عجمیوں کی زبان خوب جانتے تھے؛ لیکن پھر بھی خطبہ عربی ہی میں دیا کرتے تھے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خلفائے راشدین صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے تعامل ومواظبت اور ساری امت کا توارث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خطبہ عربی زبان ہی میں ضروری ہے، یہاں تک کہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی صحت کے لیے خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے، اگرچہ پورا مجمع عجمیوں کا ہو، عربی کوئی نہ جانتا ہو اور اگر عربی میں خطبہ پڑھنے والا مجمع میں کوئی نہ ہو تو لوگوں پر ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی، جمعہ ساقط ہوجائے گا۔ **"ولو كان الجماعة عجما لا يعرفون العربية، فلو كان ليس فيهم من يحسن الاتيان بالخطبة عربية لايلزمهم جمعة" [حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: ۳۷۸/۱، نقلا عن المقالات الفقهية]** نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خطبہ کا خاص عربی زبان

ہی میں ہونا ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق و مغرب میں ہمیشہ اسی پر عمل رہا ہے۔[مصفی شرح موطا:۱۵۲،م: مطبع فاروق دہلی]

(ج)......تین طلاق سے ایک ہی طلاق ہونی چاہیے۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب فرماتے ہیں:

''تین طلاق کے لیے اتنی شرائط ہیں، جن کا پورا ہونا ناممکن ہے، سعودیہ کے تین سو فتوے موجود ہیں، اس لیے طلاق ایک ہے، آج کے حالات کے مطابق ایک ہونی چاہیے۔''

[خطبات ذاکر نائیک بحوالہ حقیقت ذاکر نائیک:۳۳۱]

حالاں کہ صحابۂ کرام، تابعین عظام ائمہ اربعہ اور جمہور امت، نیز موجودہ دور کے سعودیہ عربیہ کے تمام معتبر علما کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں ایک نہیں، اس مسئلے میں پوری تاریخ میں کسی معتبر عالم کا اختلاف نہیں، سوائے علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیمؒ کے؛ لیکن پوری امت (جن میں بڑے بڑے تابعین، چاروں ائمہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ شامل ہیں) کے مقابلے میں ان دو حضرات کی رائے قطعاً قابلِ اتباع نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب ایسے اجماعی حکم کے خلاف مسئلہ بیان کر کے امت کو گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ حکم یعنی تین طلاقوں سے تین ہی طلاق کا واقع ہونا قرآن کی آیت، بے شمار احادیث اور صحابہ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہے، چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......وقال الليث عن نافع كان ابن عمر اذا سئل عن من طلق ثلاثا قال لو طلقتَ مرة اومرتين (لكان لک الرجعة) فان النبی ﷺ امرنی بهذا(ای بالمراجعة) فان طلقها ثلاثا حرمت حتی تنكح زوجا غيره [بخاری شریف،۲:۷۹۲، نیز۲:۸۰۳]

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب اس شخص کے متعلق فتویٰ دریافت کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاق دی ہوتی (تو رجوع کر سکتا تھا) اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھ کو اس کا (یعنی رجعت کا) حکم دیا تھا، اور اگر تین طلاق دیدے تو عورت حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۲)......عن مجاهد قال كنت عندابن عباس فجاءه رجل فقال : انه طلق امرأته ثلاثا، قال: فسكت حتی ظننت انه رادها اليه،ثم قال: ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول ياابن عباس ياابن عباس فان الله عزوجل قال:ومن يتق الله يجعل له مخرجا.عصيت ربک وبانت منک امرأتک.[أخرجه أبو داود:۱/۲۹۹،باب فی الطلاق علی الهزل، رقم:۱۸۷۸]

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں ابنِ عباسؓ کے پاس تھا، کہ ایک شیخ آیا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، فرماتے ہیں کہ حضرت عباس خاموش رہے میں سمجھا کہ وہ اس کی بیوی کو لوٹا دیں

گے (رجعت کا حکم دیں گے) مگر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے (تین طلاق دیدیتا ہے) پھر چلاتا ہے ابنِ عباس! ابن عباس! تو (سنو!) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے راہ نکالتے ہیں'' تم نے تو اپنے رب کی نافرمانی کی (تین طلاق دیدی) اس لیے تمہاری بیوی تم سے جدا ہوگئی۔

(۳)...... وعن مالک بلغه: ان رجلا قال لعبدالله بن عباس: انی طلقت امرأتی مائة تطليقه، فماذا ترى على؟ فقال ابن عباس: طلقت منک بثلاث، وسبع و تسعون اتخذت بها آيات هزوا. [اخرجه الامام مالک:۱۹۹]

حضرت امام مالکؒ کو یہ روایت پہنچی کہ ایک آدمی نے عبداللہ ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدیں، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو ابن عباسؓ نے جواب دیا: (ان میں سے) تین طلاقیں تیری بیوی پر پڑ گئیں، اور ستانوے طلاقوں سے تو نے اللہ کی آیتوں کا کھلواڑ کیا۔

(۴)......عن مالک بلغه: ان رجلا جاء الى عبدالله ابن مسعود فقال: انی طلقت امرأتی ثمانی تطليقات، قال ابن مسعود فماذا قيل لک؟ قال: قيل لی: انها قد بانت منی، فقال ابن مسعود صدقوا. (الحديث) [المؤطا للامام مالک: ۱۹۹]

حضرت امام مالکؒ کو یہ روایت پہنچی کہ ایک آدمی عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس آیا، اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے پوچھا کہ لوگوں نے تمہیں کیا کہا؟ اس نے جواب دیا کہ میری بیوی بائنہ ہوگئی۔ تو حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا: سچ کہا۔ (یعنی تین طلاقیں پڑ گئیں)

(۵)......حدثنا على بن محمد بن عبيد الحافظ نا محمد بن شاذان الجوهری نا معلی بن منصور نا شعيب بن رزيق ان عطاء الخراسانی حدثهم عن الحسن قال نا عبدالله بن عمر انه طلق امرأته تطليقه وهی حائض ثم اراد ان يتبعها بتطليقتين اخريين عندالقرأين فبلغ ذلک رسول اللهﷺ فقال يا بن عمر ماهكذاامرک الله انک قد اخطأت السنة. والسنة ان تستقبل الطهر فيطلق لكل قرء قال فامرنی رسول اللهﷺ فراجعتها ثم قال اذا هی طهرت فطلق عند ذلک او امسک فقلت يا رسول الله ارأيت لو انی طلقتها ثلثا اكان يحل لی ان اراجعها قال لا، كانت تبين منک وتكون معصية.[سنن دار قطنی: ۴۳۸/۲، زادالمعاد :۲/ ۲۵۷، مصنف ابن ابی شيبة بحواله عينی شرح كنز:۱۴۱، سنن دار قطنی:۳۱/۴،مطبوعه قاهرة]

حضرت حسن کا بیان ہے کہ ہم سے حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ انھوں نے اپنی اہلیہ کو حالت حیض میں ایک طلاق دیدی پھر ارادہ کیا کہ دو طہروں میں بقیہ دو طلاقیں دیدیں گے، حضور اقدس ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اے ابنِ عمر! اس طرح اللہ نے تم کو حکم نہیں کیا ہے، تم نے سنت طریقہ کے خلاف کیا (کہ حالتِ حیض میں طلاق دیدی) سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے اور ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ میں نے رجوع کرلیا پھر

فرمایا جب وہ پاک ہو جاوے تو تم کو اختیار ہے چاہو تو طلاق دیدینا یا اس کو روکے رکھنا، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لیے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور نے فرمایا نہیں، اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا حدیثوں میں تین طلاق سے تین ہی طلاق واقع ہونے کا حکم ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی روایتیں صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تین طلاقوں سے تین ہی طلاق واقع ہونگی، ایک نہیں۔

نوٹ: ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے اپنی تقریر میں سعودیہ کے تین سو علما کے فتاویٰ کا حوالہ دیا، پھر اپنی رائے بھی پیش کی؛ لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ کون سے علما ہیں جب کہ سعودی عرب کی تحقیقاتِ علمیہ کے موقر مفتیان نے تین طلاق سے تین ہی طلاق کا فتویٰ دیا ہے۔ قرارداد اس طرح ہے:

"بعد الاطلاع علی البحث المقدم من الامانة العامة لهيئة كبار العلماء والمعدمن قبل لجنة الدائمة للبحوث والافتاء فی موضوع "الطلاق الثلاث بلفظ واحد" وبعد دراسة المسألة وتداول الرأی واستعراض الاقوال التی قيلت فيها ومناقشة ماعلی كل قول من ايراد توصل المجلس بأكثريته الی اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً......الخ" [مجلة البحوث الاسلامية، المجلد الاول، العدد الثالث سنة ۱۳۹۷ھ]

(د)......ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام "گفتگو" میں تقریر کرتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں کہ:

"مسلمانوں کو ایسا طریقہ اپنانا چاہیے کہ پوری دنیا میں ایک دن عید ہو سکے"۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے ارشادِ نبوی **"صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته"** یعنی "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو" کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقلِ سلیم کے بھی خلاف ہے؛ اس لیے کہ وحدتِ عید کا مسئلہ اصل میں اس بنیاد سے پیدا ہوتا ہے کہ عید کو ایک تہوار یا ملکی تقریب یا قومی ڈے قرار دیا جائے؛ مگر یہ انتہائی غلط سوچ ہے؛ اس لیے کہ ہماری عیدین، رمضان اور محرم کوئی تہوار نہیں؛ بلکہ سب کی سب عبادات ہیں، نیز اوقات کا ہر ملک ہر خطہ میں وہاں کے افق کے اعتبار سے مختلف ہونا لازمی ہے، ہم ہندوستان میں جس وقت عصر کی نماز پڑھتے ہیں، اس وقت واشنگٹن میں صبح ہوتی ہے، جس وقت ہم ہندوستان میں ظہر کی نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت لندن میں مغرب کی نماز ہو چکی ہوتی ہے، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک میں جمعہ کا دن ہوتا ہے تو دوسرے میں ابھی جمعرات ہے اور تیسرے میں سنیچر کا دن شروع ہو چکا ہے، ان حالات میں کسی ایک دن میں پوری دنیا والوں کے عید منانے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

الغرض ان تنقیدات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب بہت سے مسائل میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد سے ہٹے ہوئے ہیں، قرآن وحدیث کی تشریح میں لغتِ عرب اور سلف سے منقول تفاسیر کو نظر انداز کر کے عقلِ خام کی مدد سے تفسیر کر کے، تحریف معنوی کے شکار ہیں، نیز وہ (ڈاکٹر صاحب) علومِ شرعیہ اور مقاصد شریعت سے گہری واقفیت نہ ہونے کے باوجود کسی امام کی تقلید نہیں کرتے؛ بلکہ الٹے وہ ائمہ مجتہدین پر تنقید کرتے ہیں؛ اس لیے ان (ڈاکٹر صاحب) کی باتیں ہرگز قابل اعتبار نہیں، ان کے پروگرام کو دیکھنا، ان کے بیانات سننا اور بلا تحقیق ان پر عمل کرنا سخت مضر ہے۔ اور چونکہ واقعی تحقیق کرنا ہر کس و ناکس کی بات نہیں؛ اس لیے ان کے پروگرام سے عامۃ المسلمین کو احتراز کرنا ضروری ہے۔ نیز ہر مؤمن کو یہ بات ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہیے کہ دین کا معاملہ، جو ایک حساس معاملہ ہے، انسان دین کی باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے، صرف آخرت میں نجات پانے کے لیے، اس میں صرف نئی نئی تحقیق، برجستہ جوابات، حوالوں کی کثرت اور لوگوں میں بہ ظاہر مقبولیت دیکھ کر، بلا تحقیق کسی بات پر ہرگز عمل نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ وہ غور کرلے کہ وہ آدمی دینی علوم میں کیا اہلیت رکھتا ہے؟ کن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے؟ کس ماحول میں اس کی پرورش ہوئی، اس کی وضع قطع، لباس، ہیئت دیگر علما وصلحا سے میل کھاتی ہے یا نہیں؟ نیز معاصر قابل اعتماد علما اور مشائخ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اسی طرح یہ بھی دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس سے متأثر ہونے والوں اور اس کے گرد جمع ہونے والوں میں صحیح دینی شعور رکھنے والے کتنے ہیں اور دینی خدمات سے وابستہ معتبر لوگ کس حد تک؟ اگر کچھ معتبر لوگ قریب ہیں تو ان سے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ کیوں قریب ہیں؟ ایسا تو نہیں کہ کسی غلط فہمی، معلومات کی کمی یا کسی مصلحتِ مزعومہ کے تحت وہ قریب دکھائی دے رہے ہوں؟ حاصل یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی تحقیق کے بعد اگر اطمینان ہو جائے، تبھی دینی معاملے میں اس کی باتیں قابل اعبار اور لائق عمل ٹھہریں گی، ورنہ اس سے دور رہنے ہی میں ایمان کی سلامتی ہے، مشہور تابعی محمد بن سیرین کا مقولہ: ''**ان هـذا العلم دين فانظروا عمن تـأخـذون دينـكم**'' یعنی دین کی باتوں کو سننے اور سیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ خوب غور کرلو کہ کیسے لوگوں سے علم حاصل کر رہے ہو اور دین سیکھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

زین الاسلام قاسمی الٰہ آبادی......نائب مفتی: دار الافتاء دار العلوم، دیو بند......۲۰/۳/۱۴۳۲ھ = ۲۴/۲/۲۰۱۱ء

الجواب صحیح

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　محمود حسن غفرلہ بلند شہری　　وقار علی غفرلہ　　فخر الاسلام عفی عنہ

قارئین کی آراء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا یہ مجلّہ مسلک دیوبند کا حقیقی ترجمان ہے،......اب تک اس قسم کا مجلّہ ہمارے یہاں نظر نہیں آیا...... یہاں ہند میں بھی اکثر لوگ مسلک حق میں نرمی برتنے لگے ہیں......جس سے فِرقِ باطلہ کو مزید تقویت ملنے لگی ہے......لوگ اپنے مسلک کے بارے میں تشویش میں ہیں......

آپ جیسے سلطان القلم حضرات کا مجلّہ پڑھ کر کئی لوگوں کو مسلک (اہل سنت) دیوبند کی حقانیت کا علم ہوتا ہے......اللہ رب العزت اس مجلّہ کو دن دوگنی ترقی عطا فرمائیں......اس کے مدیر و اہل علم علماء کی ہر شر سے حفاظت فرمائیں۔جزاك الله خيرا

(مولانا مفتی) ابو منصور محمد اویس قاسمی...... مدرس: دار العلوم اورنگ آباد......مہاراشٹر، ہند

یکم جولائی ۲۰۱۷ء...... بروز ہفتہ

السلام علیکم......مجلّہ صفدر کے ذریعہ بہت سی نادر اور قیمتی باتیں ہمیں حاصل ہوتی ہیں۔

والسلام محمد فیصل شیخ......۱۹؍جولائی ۲۰۱۷ء...... بروز بدھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلّہ ''صفدر'' حقیقی معنوں میں علمائے دیوبند کا ترجمان بے باک ہے۔ایسا مجلّہ میری نظر سے نہیں گزرا جو مسلک دیوبند کو واضح اور دوٹوک (انداز میں) بیان کرتا ہو۔مجلّہ صفدر ''لا یخافون لومة لائم'' کی حقیقی تصویر ہے۔اللہ رب العزت اس مجلّہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

(مولانا) محمد شعیب بن مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ......۱۹؍جولائی ۲۰۱۷ء...... بروز بدھ

السلام علیکم

کافی عرصے بعد ''صفدر'' (شمارہ:۷۳) پڑھنے کا موقع ملا۔حسب سابق اپنی روایت پہ چل رہا ہے۔ٹائٹل پر لکھی گئی عبارت بار بار پڑھی، کئی بار پڑھی۔''ہمارے مسلک کی بنیاد کسی کی مخالفت پر نہیں۔'' بہت ہی عمدہ بات لکھی آپ نے۔ مجھے تعریف کے لیے الفاظ نہیں مل رہے اِس پیراگراف کے لیے۔اتنا اچھا رسالہ اِن حالات میں جاری رکھنے پر مبارک باد۔

نسیم احمد......۱۴؍مارچ ۲۰۱۷ء...... بروز منگل